یوسف حمید پر قدرت نے اپنی فیاضی کے دروازے کھول دیئے تھے۔ مٹی میں ہاتھ ڈالتے سونا بن جاتی، ہر طرف سے بن برس رہا تھا اور وہ اس دولت کی آمد سے پریشان تھے۔

زاہدہ بیگم ہنس کر کہتیں۔ ''توبہ ہے یوسف، لوگ اپنی ضرورتیں پوری نہ ہونے سے پریشان ہیں اور تم دولت کی آمد سے پریشان ہو۔''

لیکن یوسف حمید کی سوچ اور فطرت اسے ہمیشہ یہ احساس دلاتی تھی کہ اس کا مستقبل غیر محفوظ ہے۔ یوسف بیٹیوں کی شادی کر کے اپنی دولت ان کے نام کر دیں گے اور وہ صرف بھانجا رہ جائے گا جسے وظیفہ تو مل سکتا ہے ترکہ نہیں۔ چنانچہ وہ شائل پر نگاہ رکھے ہوئے تھا لیکن بے حد احتیاط سے۔ اس طرح کے ہتھکنڈے استعمال کرتا تھا جن سے کسی کو کوئی شبہ نہ ہو سکے۔ البتہ ماں سے دل کی بات کہہ لیتا تھا۔

''کیا کروں باجی، قسم لے لیں بہت سے کاروبار ایسے ہیں جو میں نہیں کرنا چاہتا، لیکن اتفاق سے یہ کاروبار بھی ہو جاتے ہیں اور پھر ہر جگہ سے آمدنی ہی آمدنی۔''

''نظر مت لگاؤ اپنے آپ کو، خدا کا شکر ادا کرو، ورنہ جو حالات ہیں ان کا ذرا اندازہ کرو، بس دکھ ہے تو صرف ایک بات کا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں جس طرح دولت سے نوازا ہے، کاش اس طرح ایک بیٹا بھی عطا کر دیتا جو اس دولت کا وارث ہوتا۔''

اس بات پر یوسف حمید ہنس کر کہتا۔ ''واہ باجی واہ، وہ باپ کی کمائی پر عیش کرتا، اس کے دماغ ٹھکانے نہ ہوتے۔ زمین پر پاؤں نہ رکھتا، خود کو آسمانی مخلوق سمجھتا، آپ کیا سمجھتی ہیں مجھے اس بات سے خوشی ہوتی۔ بھی سچی بات یہ ہے کہ مجھے افسوس ہوتا، آپ سے زیادہ یہ بات بھلا کون جانتا ہے کہ اس دولت کی پائی پائی میں نے خود اپنی محنت سے حاصل کی ہے۔ خدا والد مرحوم کو جنت عطا فرمائے، منشی تھے، منشی رہ کر عمر گزاری، ورثے میں بانوں کی دو چار پائیاں اور چند برتن چھوڑے تھے۔ بتایئے غلط کہہ رہا ہوں آپ تو خود گواہ ہیں۔''

''اللہ کے دیئے میں سے غریبوں کی حاجتیں پوری کرو، ضرورت مندوں کی مدد کرو، دولت کا اس سے اچھا مصرف اور کیا ہو سکتا ہے؟''

''کمال کر رہی ہیں باجی، غلط باتیں نہ کریں، ضرورت مند غریب کوئی ایک تو نہیں ہے، آپ کو غربت کا اندازہ نہیں ہے، جدھر نگاہ اٹھایئے مفلسی، مفلوک الحالی، تباہی نظر آتی ہے۔ کتنوں کی مدد کر سکتی ہیں آپ اور جو آپ کی مدد سے محروم رہ جاتے ہیں ان کا کیا قصور ہے۔ باجی میں اپنی دولت کی پائی پائی بھی لٹا دوں تب بھی سارے غریبوں کی غربت دور نہیں کر سکتا۔ کیا سمجھ رہی ہیں آپ اور پھر بابا، یہ دولت میں نے اپنے خون پسینے سے کمائی ہے، میں اسے کسی کو نہیں دے سکتا باجی، حالانکہ میں اس کی اس طرح آمد سے پریشان ہوں۔''

''عجیب منطق ہے تمہاری۔'' زاہدہ باجی مسکرا کر خاموش ہو جاتیں۔

ان کا بیٹا ہاشم کہتا۔ ''میں ماموں جان کی باتیں سنتا ہوں اماں، آپ کہتی ہیں کہ آپ ان کے لئے ماں کا درجہ رکھتی ہیں مگر انہوں نے مجھے کبھی اولاد کا درجہ نہیں دیا۔ بھانجا ہوں ان کا، بیٹا نہیں ہے تو کیا ہوا میں تو بیٹے کی جگہ لے سکتا ہوں۔ کبھی آپ نے یہ بات نہیں کہی ان سے۔ کیا نہیں کرنے کے لئے تیار رہتا میں ان کے لئے۔ اچھی بات ہے، ہمیں تو غیر سمجھا جاتا ہے اور آپ کہتی ہیں کہ آپ نے انہیں ماں کی طرح پالا ہے۔''

''ہاشم، جو باتیں تم کرتے ہو نا وہ مجھے زہر لگتی ہیں، تمہارے لہجے میں میرے بھائی کے لئے زہر گھلا ہوتا ہے۔''

''نہیں اماں آپ غلط سوچتی ہیں، ماموں جان کو میں بہت چاہتا ہوں۔ بس ان کی باتیں بری لگتی ہیں۔ کبھی یہ نہیں ہوا کہ فراخدلی سے مجھے کچھ دیا ہو۔ آخر اماں دولت کے ڈھیر پر سانپ بنے کب تک بیٹھے رہیں گے؟''

''بدتمیزی کی تو وہ تھپڑ دوں گی کہ دانت نکل کر باہر جا پڑیں گے، سانپ کہہ رہا ہے تو میرے بھائی کو۔ تجھے پتہ نہیں ہے بیوقوف کہ کس طرح میں نے اسے اپنے سینے سے لگا کر پالا ہے۔ صرف چھ دن کا تھا جب امی کا انتقال ہو گیا۔ ابو ایک جگہ منشی گیری کرتے تھے۔ کھاتے لکھتے لکھتے عمر گزر گئی۔ بس ہم باپ بیٹی اور بیٹا تھے۔ ظاہر ہے میں نے چھ دن کے بچے کو سینے سے لگایا۔ شادی بھی میری کافی دیر سے ہوئی، قدرت کو مجھ سے میرے بھائی کی دوری منظور نہیں تھی کہ تمہارے ابو کا ایک حادثے میں انتقال ہو گیا۔ اس وقت تم صرف تین سال کے تھے۔ ادھر میرا بھائی زندگی کی جدوجہد میں مصروف تھا، وہ غلط نہیں کہتا، دولت کی دیوی نے اس کے قدم چومے، جس کام میں ہاتھ ڈالا وارے نیارے ہو گئے۔ ایک سو بیس گز کے گھر سے آج اس چھ ہزار گز کی کوٹھی میں پہنچ گئے۔ ادھر یوسف بھائی کی شادی بھی ایک اچھے خاندان میں ہوئی، مگر پتہ نہیں ہمارے خاندان پر کیا نحوست کا سایہ رہا، کوئی نہ کوئی ہم سے بچھڑتا ہی رہا۔ بیچاری اماں بی عین جوانی کے عالم میں گئیں اور یوسف کو میری ذمے داری بنا گئیں۔ پھر ابا جی کا انتقال ہوا، میں نے جس طرح بھی بن پڑا یوسف کے لئے کیا، پھر میری شادی ہوئی اور تمہارے ابا تمہیں چھوڑ کر اس دنیا سے چلے گئے۔ اس کے بعد بھابھی صاحبہ بھی اللہ کو پیاری ہو گئیں اور نادیہ اور شائل کو میری ذمے داری بنا گئیں۔ بس سمجھ لو یہی ساری باتیں میری تقدیر کا حصہ رہیں۔''

بات غلط نہیں تھی، زاہدہ بیگم واقعی نہ جانے کتنی چھوٹی سی عمر سے ان ذمے داریوں کو سنبھال رہی تھیں۔ ہاشم ان کا بیٹا تھا، اوباش فطرت، مکار اور چالاک، یوسف حمید کی فطرت میں یہ انوکھی بات تھی کہ دولت سے اکتائے ہوئے بھی تھے لیکن اسے تباہ کرنا بھی نہیں چاہتے تھے۔ عالیشان کوٹھی تھی، بے شمار ملازم لیکن بس زندگی کو ایک اعتدال پر دیکھنا پسند کرتے تھے۔ ہاشم کے سلسلے میں ان کا موقف یہ تھا کہ انسان اگر خود باعمل نہ ہو اور دوسروں کے بل پر عیش و آرام کی زندگی بسر کرنا چاہے تو اس سے خطرناک انسان اور کوئی نہیں ہوتا۔ اپنے لئے بھی اور دوسروں کے لئے بھی۔ ہاشم سے بددل نہیں تھے بہت اچھی طرح پیش آتے تھے اس کے ساتھ، ماموں بھانجے اکثر ساتھ دیکھے جاتے تھے لیکن بس یہی نصیحت کرتے رہتے تھے ہاشم کو کہ بیٹے خود کچھ کر کے دکھاؤ تو بات بنے۔ ہاشم نے کئی بار کہا تھا کہ مجھے رقم دیجئے میں اپنا کاروبار کرنا چاہتا ہوں تو انہوں نے کہا کہ نہیں کاروبار تمہارے سامنے ہے، بتاؤ کہاں کیا کرنا چاہتے ہو لیکن مالک کی حیثیت سے نہیں ورکر کی حیثیت سے کام کرو۔ ہاشم ان تمام باتوں سے بددل تھا، بہرحال ایسا نہیں تھا کہ زندگی کی ضرورتیں پوری کرنے کے لئے اسے مشکلات کا سامنا ہو، ایک چھوٹی سی گاڑی بھی پاس رکھی ہوئی تھی۔ عمدہ قسم کا جیب خرچ بھی ملتا تھا۔ ماں بھی بہت کچھ دیتی رہتی تھیں، یوسف حمید بہن کے سلسلے میں کنجوس نہیں تھے، بہن کو مکمل آزادی تھی، لیکن زاہدہ بیگم بہت ہی نیک اور نفیس خاتون تھیں، بھائی کے پیسے کو کبھی برباد کرنے کی کوشش نہیں کی، یہاں تک کہ بیٹے کو ان سے بھی شکایت تھی، یہ اس گھر کا ماحول تھا، نادیہ اور شائل الگ الگ کالجوں میں پڑھ رہی تھیں اور زندگی کے تمام تعیشات انہیں حاصل تھے۔ بیٹیوں کے سلسلے میں یوسف نے کبھی کنجوسی سے کام نہیں لیا تھا۔ ان کی ہر خواہش پوری ہوتی تھی اور ہاشم اس بات سے کافی جلتا تھا لیکن اس نے صبر کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا تھا، بہت ہی گہری سوچ کا حامل تھا اور خود کو بڑی چالاکی سے شریف اور ماموں کا ہمدرد بنائے ہوئے تھا لیکن درپردہ یوسف کی چھوٹی بیٹی شائل کے چکر میں تھا۔

شائل اسے صرف کزن سمجھتی تھی، چونکہ ہمیشہ سے ساتھ رہے تھے اس لئے تھوڑی سی یگانگت بھی تھی اور نہ صرف شائل بلکہ نادیہ بھی اس سے اپنے معاملات شیئر کرتی تھی۔ ہاشم کو اس گھر میں کوئی تکلیف نہیں تھی

''بدقسمتی تو ہے اماں کہ ابا دنیا سے چلے گئے، ان کی سرپرستی میں اپنے گھر میں پلتا تو بات ہی دوسری تھی۔ دیکھو اماں۔''

''تمہیں بھی تو یہی جگہ ملی تھی رہنے کے لئے۔ ارے اپنی ٹوٹی پھوٹی جھونپڑی میں ہوتی تو وہیں کے عادی ہوتے۔ اب تو گھر کے ہیں نہ گھاٹ کے۔''

''بنا لے بیٹا کوئی جھونپڑی۔ جا کر رہنا شروع کر دے، کون منع کرتا ہے۔''

''ایک ابا کے لئے رفو چکر کا لفظ کیا استعمال کر لیا تم دشمنی پر اتر آئیں۔''

''میرے سر کا تاج تھے وہ۔ اللہ نے جتنی زندگی دی میرے ساتھ انہوں نے ہمیشہ اچھا سلوک کیا۔ اور جہاں تک میرے یہاں رہنے کی بات ہے تو، تو کیا جانے۔ یوسف کو بھی میں نے ماں بن کر پالا ہے اور اب بھی وہ مجھے ماں کا درجہ دیتا ہے۔''

''تم بھائی کو اولاد کی جگہ دیتی ہو، اس کے دل میں اپنی اولاد کی جگہ بھی تو پیدا کرو۔''

''کیا نہیں ملتا تجھے یہاں سے، اب تو خود ہی نکما ہے تو کوئی کیا کرے؟''

''بجائے اس کے کہ ہمیں کوئی بڑی حیثیت دی جاتی، اب دیکھو فلاں فیکٹری میں اسسٹنٹ منیجر لگا دیا، پروڈکشن سپروائزر لگا دیا اور اگر کبھی دبی زبان سے کوئی شکایت کی تو کہا گیا کہ بیٹے دنیا میں عمل ہی زندگی ہوتا ہے، بے عمل شخص زندگی سے محروم رہتا ہے۔''

''میرا دماغ مت کھا۔ بالکل سچ کہتا ہے یوسف حمید کہ عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی۔ تو ثابت کر کہ تو کسی قابل ہے۔''

''بہرحال میں ماموں جان سے بہت محبت کرتا ہوں، تم دیکھ لینا ایک نہ ایک دن میں ان کے دل میں جگہ بنا لوں گا۔''

''تو بیٹا مجھے کیا اعتراض ہو گا اس بات پر۔'' زاہدہ بیگم سچ مچ کھری خاتون تھیں۔

بہرحال یہ زندگی چل رہی تھی، غیر مطمئن کوئی نہیں تھا، شائل اور نادیہ ایک دوسرے سے بے پناہ محبت کرتی تھیں لیکن دونوں کے اپنے اپنے مسائل تھے، نادیہ یونیورسٹی میں پڑھتی تھی تو شائل نے اپنے لئے ایک الگ کالج منتخب کیا تھا، جس کا تعلق فائن آرٹس سے تھا۔

یونیورسٹی کا ماحول نادیہ کے مزاج کے مطابق تھا اور اس کے بارے میں یہ کہا جاتا تھا کہ وہ یونیورسٹی کے سب سے بڑے پاگل یعنی مسعود اختر سے متاثر ہے۔ البتہ دونوں کو کبھی بہت زیادہ قریب نہیں دیکھا گیا تھا۔ مسعود اختر ایک انتہائی لاابالی نوجوان تھا۔ کالج والے اسے کامریڈ کہہ کر مخاطب کرتے تھے۔ وہ ایک اچھا شاعر تھا اور یونیورسٹی کے تمام مشاعروں میں ہمیشہ اول انعام حاصل کرتا رہا تھا۔ اس کی ہر چیز منفرد تھی۔ خوش شکل، خوش آواز، خوش خیال، خوش مزاج انتہائی گھنے کالے بال، سیاہ روشن آنکھیں اور قدرتی طور پر مسکراتے ہونٹ۔ پھر شاعری تھی کہ غضب، ہر دل کی دھڑکن تھا لیکن دھڑکتے دلوں میں یہ احساس بھی چھپا ہوتا تھا کہ وہ اب نادیہ کی ملکیت ہے۔

جب شکل و صورت کی بات کی جاتی تو نادیہ کا حسن بھی مسعود کی غزل کی مانند تھا۔ اول انعام کا مستحق۔ دولت کی بات ہوتی تو یونیورسٹی میں اس سے عمدہ کار کسی اور کی نہیں ہوتی تھی۔ ہر سال نئے ماڈل کی کار سب سے پہلے اسی کے پاس نظر آتی تھی۔ پھر مسعود اس کی ملکیت کیوں نہ ٹھہرتا۔ نادیہ جس قدر حسین تھی اسی قدر خودسر اور خوددار بھی۔ وہ عام لڑکیوں سے دوستی نہیں کرتی تھی۔ اسے عام باتیں بھی پسند نہیں تھیں۔ لڑکوں سے تو وہ دور ہی بھاگتی تھی اور جب بھی کسی نوجوان نے اس کا قرب حاصل کرنے کی کوشش کی، اسے بے عزتی کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔

مسعود، نادیہ کے لئے اجنبی تھا لیکن یونیورسٹی کے ایک اعلیٰ پائے کے مشاعرے میں اس کی غزل نے نادیہ کو بہت متاثر کیا اور اس نے مشاعرے میں دل کھول کر مسعود کو داد دی۔ مسعود نے بار بار اس کا شکریہ ادا کیا تھا۔ اسی مشاعرے میں غزل کے پہلے انعام کے طور پر مسعود کو کانسی کا ایک خوبصورت مجسمہ دیا گیا۔ جو تیسرے دن کینٹین کی ایک میز پر جا سجا تھا۔ جس وقت نادیہ کینٹین میں داخل ہوئی تو مسعود میز کے پاس کھڑا تقریر کر رہا تھا، لڑکے اور لڑکیاں دلچسپی سے اس کی جانب متوجہ تھے، وہ کہہ رہا تھا۔

''جب میں نے علم دین کباڑیے سے اس مجسمے کی قیمت پوچھی تو اس نے پانچ پانچ روپے کے پانچ نوٹ نکال کر میرے سامنے رکھ دیئے اور اس حسین جل پری کی طرف اپنا کھردرا پنجہ بڑھایا لیکن میں نے اس کی آبرو داغدار نہ ہونے دی۔ میں نے علم دین سے کہا کہ اگر اس کے ساتھ میں تمہیں اپنی وہ غزل بھی دے دوں جس کے عوض مجھے یہ جل پری ملی ہے تو تم مجھے اس کا کیا دو گے تو علم دین نے پوچھا کہ کِلّل کا وزن کتنا ہے بابو جی وہ کانسی کی ہے یا پیتل کی، تب میں نے صبر کیا۔ میں نے سوچا کہ یہ شخص علم دین تو ہے، لیکن بے علم ہے۔ تو اے صاحب علم حضرات! کانسی کی یہ حسین جل پری میری غزل کے ہمراہ برائے نیلام ہے، میں آپ کا اور علم دین کا ذہنی فاصلہ دیکھنا چاہتا ہوں۔ دل والے بولی لگائیں، کانسی کی جل پری مع غزل۔''

دو عدد مٹن رول اور ایک کپ کافی۔'' ایک آواز ابھری۔

''اور ان دونوں چیزوں کے ہمراہ پچاس روپے نقد۔'' دوسری آواز نے کہا۔

''ابے ابے کیوں حاتم بن رہا ہے، مٹن رول اور کافی کے کپ کی قیمت بھی اچھی خاصی بن جاتی ہے۔'' دوسری بولی لگانے والے کو اس کے ایک ہمدرد نے سمجھایا۔

اسی وقت نادیہ نے آگے بڑھ کر کانسی کا مجسمہ ہاتھ میں اٹھا لیا۔ اس نے غصیلی نگاہوں سے مسعود کو دیکھا اور بولی۔ ''آپ جیسے سنجیدہ انسان سے ایسے فضول مذاق کی توقع نہیں تھی۔''

''میڈم یقین فرمایئے یہ مجسمہ میری ملکیت ہے اور مجھے انعام کے طور پر ملا ہے، میں آپ کو ثبوت فراہم کر سکتا ہوں۔ میں نے یہ مجسمہ ہرگز چوری نہیں کیا۔''

''آپ مجھ پر طنز کر رہے ہیں۔ آیئے میرے ساتھ۔''

''ارے باپ رے۔'' مسعود نے ڈھیلے ڈھالے لہجے میں ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا۔

نادیہ نے مجسمہ ہاتھ میں اٹھایا ہوا تھا، وہ باہر جانے والے دروازے کی جانب مڑ گئی۔

پیچھے سے کسی لڑکے کی آواز ابھری۔ ''خدا حافظ مسعود بھائی، تمہاری تقدیر میں یہی لکھا تھا۔''

''اب پہلے اسے چودہ سال کی سزا ہو گی اور اس کے بعد پھانسی۔ یہ کام محترمہ نادیہ کے لئے کچھ مشکل نہیں ہے۔'' دوسرے نے کہا۔

''حسرت ان شوہروں پر ہے جو......!''

وہ دونوں یہ مصرع پورا ہونے سے پہلے باہر نکل گئے تھے۔ مسعود ایک جگہ رکا تو نادیہ نے کہا۔ ''یہاں نہیں...... وہ بدتمیز لڑکے لڑکیاں یہاں بھی آ سکتے ہیں۔''

''م...... میری بات پر یقین کیجئے۔ کک...... کہ...... کہ!'' مسعود نے گھٹی گھٹی آواز میں کہا۔

نادیہ رک گئی، اس نے شکایتی نگاہوں سے مسعود کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ''مسعود صاحب...... میں آپ کی بے حد عزت کرتی ہوں، پلیز اس طرح کی باتیں نہ کریں۔ میں تو بس اس قیمتی انعام کی تحقیر نہیں دیکھ سکتی تھی، جس کا تعلق ایک نہایت ہی خوبصورت غزل سے ہے، آیئے کچھ دیر پھولوں کے کنج میں بیٹھیں گے۔ بس چند منٹ، اگر آپ کو ناگوار نہ گزریں۔''

''اللہ تیرا شکر ہے۔ اس اطمینان کے بعد تو آپ چند سال بھی مجھے پھولوں کے کنج میں بٹھا سکتی ہیں۔'' مسعود نے اطمینان کی سانس لے کر کہا اور دونوں پھولوں کے ایک کنج میں جا بیٹھے۔

''اب آپ یہ بتایئے کہ یہ کیا مذاق تھا۔ آپ اتنے بڑے انعام کی تحقیر کیوں کر رہے تھے، جو ایک ایسی خوبصورت غزل کے نتیجے میں آپ کو ملا ہے جس کا جواب مشکل ہے۔''

''احوال اس فقیر کا اے دوستاں سنو۔'' آپ اسے مذاق کہہ رہی ہیں، حالانکہ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ اس سے پہلے بھی میں نے اپنے بے شمار انعامات فروخت کئے ہیں۔ اصل میں لوگوں سے غلطی ہو جاتی ہے، میں ان انعامات کا اہل نہیں ہوں، نہ ہی میں ان کی حفاظت کر سکتا ہوں۔''

''کیوں؟''

''بس کچھ مجبوریاں ہیں آپ کو کیا بتاؤں!''

''کوئی مالی پریشانی ہے؟''

''اس کے علاوہ بھی کوئی پریشانی ہوتی ہے اس دنیا میں۔'' مسعود نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''پتہ نہیں...... آپ کہہ رہے ہیں تو مانے لیتی ہوں، ویسے آپ ایک کام کیا کریں آئندہ اپنے تمام انعامات میرے پاس محفوظ کرا دیا کریں۔ میں ان کی بہتر حفاظت کر سکتی ہوں، ہاں وہ غزل کہاں ہے؟''

''حاضر ہے۔ حاضر ہے۔'' مسعود نے جلدی سے کہا اور جیب سے ایک کاغذ نکال کر اسے پیش کر دیا۔

''بہت ہی خوبصورت غزل ہے، مسعود صاحب۔ اب مذاق ختم کر کے بتایئے کیا واقعی آپ کو رقم کی ضرورت ہے۔''

''خدا کی قسم آپ اسے مذاق نہ کہیں۔ میں تو اپنی نظمیں اور غزلیں فروخت کرتا ہی رہتا ہوں۔ بس جہاں سے جو مل جائے دس روپے، پندرہ روپے بیس روپے، فی شعر کے حساب سے اور اگر زیادہ اشعار کی ضرورت ہو تو اس میں اور رعایت بھی ہو جاتی ہے۔''

نادیہ نے عجیب سی نگاہوں سے مسعود کو دیکھا پھر پرس نکال کر بولی۔ ''کتنے روپے کی ضرورت ہے آپ کو؟''

''اس کا مطلب ہے کہ آپ کانسی کی یہ جل پری خرید رہی ہیں؟''

''ہرگز نہیں، نہ میں اسے خرید رہی ہوں اور نہ ہی آپ کو فروخت کرنے دوں گی، جو کچھ آپ اب تک کرتے رہے ہیں اگر آئندہ کیا تو میں یہ یونیورسٹی چھوڑ دوں گی۔ میں آپ کو بتائے دے رہی ہوں۔ یقین کریں اس کے بعد میں کبھی یونیورسٹی نہیں آؤں گی۔ اپنی تعلیم ادھوری چھوڑ دوں گی اور اس کے ذمہ دار آپ ہوں گے۔'' نادیہ کا لہجہ جذباتی ہو گیا اور مسعود حیران نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔

''اور آپ یہ اسی وقت کریں گی نا، جب میں آپ کی بات نہ مانوں۔''

''جو بھی ضرورت ہوا کرے آپ مجھے بتا دیا کریں، بتایئے اس وقت کتنی رقم چاہیئے؟''

''مسعود سوچنے لگا پھر بولا۔ ''ایک سو اٹھائیس روپے نوے پیسے لانڈری کا بل، پانچ سو چودہ روپے سامنے کی دکان کا قرض۔ ساڑھے تین ہزار روپے مکان کا کرایہ، یہ بہت بڑی رقم ہو جاتی ہے، جسے میں قسطوں میں ادا کرتا ہوں۔''

نادیہ نے کچھ نوٹ نکال کر اس کے سامنے کر دیئے اور وہ چکرائی ہوئی نگاہوں سے ان نوٹوں کو دیکھنے لگا پھر بولا۔ ''یہ تو بہت ہیں اگر آپ اجازت دیں تو میں آپ کو کچھ اور غزلیں لا دوں گا، حساب بعد میں ہو جائے گا۔''

''ضرور لا دیجئے گا، میں انتظار کروں گی۔'' نادیہ نے کہا اور کچھ دیر کے بعد وہ دونوں وہاں سے اٹھ گئے۔

لڑکوں کے سوالات نے مسعود کا ناک میں دم کر دیا تھا لیکن اس نے اس گفتگو کو امانت کے طور پر محفوظ رکھا، جو کچھ ہوا تھا وہ محض مذاق نہیں تھا، وہ بڑی مشکل سے تعلیم جاری رکھے ہوئے تھا۔ ایک ماضی تھا اس کا اور اس ماضی نے ہی اسے یہ فطرت بخشی تھی۔ دوسرے دن نادیہ نے اس کا کٹا پھٹا دیوان جگہ جگہ سے پڑھتے ہوئے کہا۔ ''آپ نے اپنے شاہکار کلام کے ساتھ یہ سلوک کیا ہے، مسعود صاحب، آپ بے مثال شاعر ہیں، اپنے اس فن کو فن کی دنیا سے روشناس کیوں نہیں کراتے۔'' جواب میں مسعود ہنسنے لگا پھر بولا۔

''کیا ملے گا اس سے اور کیا ملا ہے ان عظیم شعراء کو جنہوں نے کیا کیا کچھ کہہ دیا ہے، بس تھوڑی سی داد، کچھ تعریفی کلمات یا کچھ اور بھی۔ کیا بھلا ہو گا ان سے میرا اور کیا بھلا ہوا ان کا۔ نہیں محترمہ نادیہ مجھے ان چیزوں کی ضرورت نہیں ہے میں اس کائنات میں ایک عملی انسان بننا چاہتا ہوں۔''

''یہ تو بہت اچھی بات ہے، فن برائے فن ہی ہونا چاہئے، فنکار کی پست ذہنی یا بے حسی تو مجھے بھی ناپسند ہے، ان کے علاوہ بھی کچھ اور ہو گا آپ کے پاس۔''

''ہاں اپنے کباڑ خانے میں تلاش کروں گا تو کچھ اور غزلیں نظمیں کونوں کھدروں میں سسکتی ہوئی مل جائیں گی۔''

''آپ کا قیام کہاں ہے؟''

''وہاں، جہاں آپ نہیں آ سکتیں۔''

''دیکھئے آپ مجھے اس دنیا سے دور کا انسان نہ سمجھیں، اس میں شک نہیں کہ ہمارے حالات بہتر ہیں، میرے ڈیڈی مجھے بے حد چاہتے ہیں، میری امی کا انتقال ہو چکا ہے۔ ہماری پھوپھی ہماری سرپرست ہیں، یہ لوگ بہت اچھے ہیں لیکن ہم اندھے تو نہیں ہیں، یہ دنیا ہمارے سامنے ہے، ہر جگہ انسان ہی بستے ہیں، ان کا طرز زندگی مختلف ضرور ہے لیکن اس سے کیا ہوتا ہے۔''

''آپ کی باتیں مجھے پریشان کر رہی ہیں نادیہ صاحبہ۔''

''کیوں اس میں پریشانی کی کیا بات ہے؟''

''ہے۔'' مسعود آہستہ سے بولا۔ اس کے چہرے پر سنجیدگی طاری ہو گئی تھی۔

''مجھے بتائیں گے نہیں؟'' نادیہ نے سوال کیا لیکن مسعود خاموش ہی رہا تھا۔

یونیورسٹی میں ان دونوں کے قرب کو دلچسپی کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ فقرے بازی بھی ہونے لگی تھی لیکن نادیہ نے حقارت سے مسکرا کر انہیں مسترد کر دیا تھا، جب مسعود کو تنگ کیا گیا تو اس نے عاجزی سے کہا۔

''بھائیو! اس سے پہلے میں اپنی نظموں اور غزلوں کا ریٹیل کاروبار کرتا تھا، اب میں نے ان کا ٹھیکہ دے دیا ہے، ایسی باتیں کر کے یارو میرا کاروبار کیوں خراب کرنا چاہتے ہو؟''

''لیکن یہ ٹھیکے دارنی ان کا کریں گی کیا، انہیں تو مشاعروں میں اپنے نام سے دوسروں کی غزلیں پڑھنے کا شوق بھی نہیں ہے۔''

''شاعروں کو پنجرے میں پالنے کا شوق ہو گا، بڑے آدمیوں کے شوق بھی بڑے ہی ہوتے ہیں۔'' دوسرا بولا۔

''اشعار کے ٹھیکے کی حد تک تو غنیمت ہے مسعود بھائی لیکن......''

''بس تم اس دلچسپ فقرے کو حلق ہی میں رہنے دو، ورنہ نتائج کے ذمے دار خود ہو گے۔'' مسعود نے دھمکی دی اور وہ نوجوان شرارت سے مسکراتا ہوا خاموش ہو گیا، لوگوں کے خاموش ہونے یا بولتے رہنے سے کوئی فرق نہیں پڑا۔ نادیہ مسعود سے قریب ہوتی گئی اور پھر ایک دن اس نے ضد کرتے ہوئے کہا۔ ''مسعود میں تمہارا گھر دیکھوں گی۔''

"نادیہ پلیز، اس کے بعد کیا ہوگا؟"

"کچھ نہیں ہوگا، بس میں نے جو کہہ دیا نا۔"

"ٹھیک ہے میری تقدیر....." مسعود نے کہا اور اسے ان سرکاری کوارٹروں کی طرف لے گیا جو نچلے درجے کے ملازموں کے تھے، انہوں نے ہی ان میں سے کچھ کوارٹر کرائے پر دے رکھے تھے جو کوارٹر مسعود کے پاس تھا۔ وہ واقعی بہت گندا تھا، ہر چیز پر گرد جمی ہوئی تھی۔ چیزیں بے ترتیب پڑی تھیں۔ نادیہ نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا تو مسعود نے جلدی سے کہا۔ "اب فرمایئے اپنی غلطی کا احساس ہو رہا ہے نا، کیا کہتی ہیں اس بھوت محل کے بارے میں۔"

"بے حد آرٹسٹک، بہت خوبصورت۔" نادیہ نے کہا۔

سبحان اللہ، آپ وہ مذاق کر رہی ہیں محترمہ جو زندگیاں چھین لیتا ہے۔"

"ہرگز نہیں مسعود صاحب، اس مکان سے ایک فنکار کی شان جھلکتی ہے۔ اگر یہاں بھی سلیقہ ہوتا تو پھر یہ کسی فنکار کا مکان نہیں کہلاتا۔"

"اس نکتہ رسی کی داد نہ دینا ظلم ہوگا۔"

"میں نے غلط نہیں کہا، انسان ایک ہی چیز سے لو لگا سکتا ہے، آپ نے اپنے حسین اشعار سے اپنے ایوان سجا رکھے ہیں۔ باقی چیزوں کی طرف آپ کی توجہ نہیں ہو سکتی، اگر انہیں بھی آپ کی توجہ حاصل ہو جائے تو آپ کے اشعار آپ سے شکایت کریں گے۔"

"آپ کی اس انوکھی تعریف کے جواب میں میں کیا کہوں، یہ تو ایک عظیم شاعری ہوگئی۔"

"اپنے بارے میں اور کچھ نہیں بتائیں گے۔" نادیہ بے تکلفی سے ایک بوسیدہ اور گرد آلود کرسی پر بیٹھ گئی۔

"کیا کریں گی پوچھ کر...... میں اپنا ماضی بھلا چکا ہوں؟"

"نہیں! ماضی کبھی نہیں بھلایا جا سکتا، یہ دوسری بات ہے کہ ہم خود کو تکلیف دہ یادوں سے محفوظ کر لیں۔"

"والدین بچپن ہی میں ساتھ چھوڑ گئے تھے۔ ماموں نے پرورش کی۔ عیال دار آدمی تھے۔ ممانی کو میرا اضافہ کھلنے لگا، مگر ماموں نے میری دلجوئی کی اور اپنے بچوں کے ساتھ تعلیم دلائی۔ یونیورسٹی میں پہنچا تو ماموں کا بھی انتقال ہوگیا تھا، ممانی نے معذرت کر لی، چنانچہ وہاں سے نکلا اور یہاں آباد ہوگیا، اب کچھ ٹیوشن پڑھاتا ہوں اور گزر بسر ہو رہی ہے۔"

"اور شعروں کے کاروبار کا کیا حال ہے؟"

"اب نہیں کرتا، بددیانت نہیں ہوں۔" مسعود نے جواب دیا۔

"شکریہ۔ یونیورسٹی سے فارغ ہو کر کیا کرنے کا ارادہ ہے؟"

"شاعری۔"

"صرف شاعری۔"

"اپنے لئے تو شاعری ہی کروں گا، ہاں اگر کوئی دوسرا زندگی میں داخل ہوگیا تو کچھ اور جہاں دیکھنے پڑیں گے۔"

"کوئی دوسرا ابھی تک زندگی میں داخل نہیں ہوا؟" نادیہ نے سوال کیا اور مسعود خاموش ہوگیا۔

"جواب دیں پلیز۔"

"اس کا جواب نہ مانگیں تو بہتر ہے۔" مسعود سنجیدگی سے بولا۔

"کیوں؟"

"بس میری درخواست ہے۔"

"آپ کی مرضی۔" بہرحال نادیہ نے مسعود کے گھر کی کافی صفائی کی۔ بس محبت اسی کو کہتے ہیں، دیوانگی سوار ہوگئی تھی اس پر۔ اتنے بڑے باپ کی بیٹی تھی، جس کے درجنوں ملازم تھے۔ وہ اپنے گھر میں پانی پینے کے لئے نہ اٹھتی ہوگی۔

مسعود سخت شرمندہ تھا، مگر نادیہ نے ایک نہ سنی، وہ ایک عام سی لڑکی کی طرح اس گھر کی ایک ایک چیز درست کر رہی تھی۔ مسعود خود بھی اس کے ساتھ شریک ہوگیا۔ نادیہ نے کاغذ کے ایک ایک پرزے کو چن لیا، جس پر مسعود نے کچھ لکھا تھا اور پھر انہیں اپنے پرس میں رکھتی ہوئی بولی۔

"میں نے اپنی محنت کا صلہ حاصل کر لیا ہے۔"

"اب خاموش ہو جائیں نادیہ، خدا کے لئے بس خاموش ہو جائیں۔" مسعود کے چہرے پر جذبات کے سائے لرز رہے تھے۔

پھر اس رات اس نے نادیہ کے جانے کے بعد ایک غزل کہی۔ اس میں اس نے اپنی زندگی میں کچھ نئے اور انوکھے احساسات کے جاگنے کی بات کی تھی۔ انتہائی محتاط انداز میں اس تغیر کی بات کی تھی جو اس کی روح میں رونما ہوا تھا۔ پھر مستقبل کے خدشات کا تذکرہ کیا تھا اور دوسرے دن اس نے یہ غزل نادیہ کو دے دی۔ اسے پڑھ کر نادیہ کے ہونٹوں پر ایک دلنواز مسکراہٹ پھیل گئی، اس نے غزل اپنے پرس میں رکھ لی اور اس کے بعد دونوں ایک دوسرے سے اور زیادہ قریب ہوگئے۔

نادیہ، شائل سے بہت بے تکلف تھی، دونوں ہمیشہ ایک دوسرے کے مسائل شیئر کرتی تھیں لیکن نہ جانے کیوں ابھی تک نادیہ نے شائل کو مسعود کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا بلکہ وہ جو کچھ کر رہی تھی خود کر رہی تھی، ہاں جب نادیہ نے مسعود کے گھر سے حاصل شدہ کترنوں کی شکل میں سگریٹ کے پیکٹوں پر، اخبار کے سادہ حصوں پر، بادامی رنگ کے لفافوں سے جو کچھ پایا تھا، اسے محفوظ کر کے ایک بے حد خوبصورت کتاب کی شکل دی تو شائل نے اس کتاب کو سب سے پہلے دیکھ لیا۔

"ارے کتنی خوبصورت کتاب ہے۔ یہ مسعود سائل کون ہیں۔ کہتے تو اچھا ہیں۔" شائل نے کچھ اوراق پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا اور نادیہ سنجیدہ ہوگئی۔ بہن دل جگر تھی، اس سے کچھ چھپانے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ بس اب تک خاموش رہی تھی تو شاید اس وجہ سے کہ فطرت میں چھچھورپن نہیں تھا۔ شائل نے اچانک ہی نادیہ کی خاموشی کو محسوس کیا تھا۔

"کیا بات ہے نادیہ؟"

"یار شائل کچھ گڑبڑ ہوگئی ہے۔"

"ایں۔ کیسی گڑبڑ؟"

"میرے خیال میں، میں اس شخص سے محبت کرنے لگی ہوں۔"

"کس سے؟" شائل کی آواز بوکھلائی ہوئی تھی۔

"اسی شاعر سے جس کا نام مسعود سائل ہے۔"

"اے نہیں۔ یہ تو فلم 'کبھی کبھی' کا چربہ معلوم ہوتا ہے۔"

"نہیں، میں سنجیدگی سے کہہ رہی ہوں، مسعود سائل ہماری ہی یونیورسٹی میں پڑھتا ہے۔ بہت اعلیٰ پائے کا شاعر ہے اور یہ کتاب میں نے ہی ایک پبلشر سے چھپوائی ہے۔"

"تت...... تت...... تم نے؟ 'کبھی کبھی' میں ایسی کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔ یہاں کہانی ذرا الگ ہو جاتی ہے۔"

"شائل میں بالکل سنجیدہ ہوں، خاصے دن ہوگئے، مسعود سائل سے میری دوستی چل رہی ہے۔ میں اس کے گھر بھی آتی جاتی رہتی ہوں۔"

شائل حیرت سے منہ کھولے اسے دیکھتی رہی، پھر اس نے بڑی معصومیت سے کہا۔ "اب کیا ہوگا؟"

"جو کچھ بھی ہو میں بہرحال اسے کسی قیمت پر نہیں چھوڑوں گی۔"

"ہائے۔ ہائے۔ بے چارہ بے موت مارا جائے گا۔"

"کرتی رہو مذاق، مگر میں نے جو کچھ تم سے کہا ہے، سنجیدگی سے کہا ہے، مسعود بہت اچھا لڑکا ہے۔ دنیا میں اس کا کوئی نہیں ہے۔ ایک معمولی سے کرائے کے گھر میں رہتا ہے۔ بڑا لاابالی سا انسان ہے۔ اگر ڈیڈی اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیں تو وہ کارآمد نوجوان بن سکتا ہے۔ مجھ سے بے پناہ متاثر ہے، ہم دونوں شادی کریں گے۔"

"نادیہ! ڈیڈی کو جانتی ہو، کس طرح کے انسان ہیں۔ ہمارے لئے تو وہ واقعی ایک شفیق باپ ہیں لیکن بس صرف ہمارے لئے۔ ارے تم نے ان کی باتیں نہیں سنیں یا اگر سنی ہیں تو کبھی غور نہیں کیا ان پر۔ وہ کہتے ہیں کہ جو دولت ان کے پاس ہے اس کی پائی پائی انہوں نے خود اپنی محنت سے کمائی ہے اور وہ کسی پر بھی اپنی دولت لٹانے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ خود ہاشم بھائی کو دیکھ لو اکثر بڑی حسرت سے کہتے ہیں کہ کاش ماموں جان انہیں اپنے بیٹے کا مقام دے سکتے۔ ڈیڈی نے ہمیشہ ان سے یہ کہا ہے کہ وہ ان کے لئے بڑی اہمیت رکھتے ہیں لیکن انسان کو خود اپنی محنت کر کے اپنا مقام بنانا چاہئے۔ میرا یہ سب کچھ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ کہیں وہ یہ نہ سوچیں کہ مسعود صاحب کو ان کی دولت سے کوئی دلچسپی ہے اور اس لئے وہ آپ کے قریب ہوئے ہیں، محترمہ نادیہ صاحبہ۔"

"شائل۔ ڈیڈی جو کچھ بھی سوچیں وہ مجھے پسند ہے، میں اس کے ساتھ زندگی گزارنا چاہتی ہوں، وہ میرے لئے سب کچھ کرے گا۔ کیا سمجھیں؟"

"ڈیڈی سے بات کروں؟"

"اس لئے بتایا ہے میں نے تمہیں یہ سب کچھ۔" نادیہ نے اسے غصے سے دیکھا۔

"نہیں۔ نہیں، میرا مطلب یہ ہے کہ جو بھی صورت حال ہو مجھے اس سے آگاہ رکھنا۔" نادیہ خاموش ہوگئی تھی۔

نادیہ نے کالج میں اس خوبصورت کتاب کا ایک نسخہ بڑی خوبصورت پیکنگ کے ساتھ مسعود کو پیش کیا تو وہ چونک کر اسے دیکھنے لگا پھر بولا۔

"ایسی کوئی تقریب بھی تو نہیں جس میں آپ مجھے کوئی تحفہ پیش کریں۔ کیا میں اسے کھول کر دیکھ لوں؟"

"اتنے سارے احمق ہمیں دیکھ رہے ہیں اور اپنے ذہنوں میں کہانیاں گھڑ رہے ہیں بہتر ہے کہ ہم یہاں سے چلیں، کسی ہوٹل میں کھانا کھائیں گے وہیں اس پیکٹ کو کھول کر دیکھ لینا۔"

چھٹی ہوئی تو نادیہ، مسعود کو لے کر باہر آگئی اور اس نے مسعود کو اپنے ساتھ بیٹھنے کے لئے کار کا پچھلا دروازہ کھول دیا۔

ایک اعلیٰ درجے کے ریستوران میں بیٹھ کر مسعود نے بے چینی سے اس سرخ پیکٹ کو کھولا اور اس حسین جلد کی کتاب کو دیکھا، جس پر سنہرے الفاظ میں اس کی ایک غزل کا عنوان نام کی شکل میں موجود تھا اور انتہائی خوبصورت، اس کا نام اس مجموعے پر تحریر تھا، مسعود اسے دیکھ کر سکتے میں رہ گیا۔ بمشکل تمام اس کے منہ سے نکلا۔

"میں اس قابل تو نہیں تھا نادیہ۔"

"اس کا فیصلہ کرنے کا اختیار آپ کو نہیں ہے اور آئندہ آپ اپنی قابلیت کا تعین خود نہیں کریں گے۔" مسعود نے گردن جھکا لی، تھوڑی دیر تک کچھ بول ہی نہ سکا تو نادیہ نے کہا۔ "اتنا جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں جناب۔ میں نے آپ پر کوئی احسان نہیں کیا ہے۔ آئندہ زندگی میں بھی یہ سب کچھ مجھے ہی کرنا ہے، اس لئے میں نے ابتدا کر دی ہے۔"

مسعود نے چونک کر اسے دیکھا، اس کا چہرہ شدت جذبات سے سرخ ہوگیا تھا۔ "کیا کیا دو گی مجھے نادیہ، میں ان احسانات کے بوجھ تلے زندہ نہیں رہ سکوں گا۔"

"اول تو میں نے ابھی تک کوئی احسان نہیں کیا ہے آپ پر اور پھر جیسے بھی زندہ رہیں آپ کو زندہ رہنا ہوگا۔ میں فضول رسمی باتوں کی قائل نہیں ہوں جو کچھ میں کر رہی ہوں، اس کا ایک مقصد ہے اور میں دل میں کوئی بات رکھ کر بیٹھنا پسند نہیں کرتی۔ یہ ہماری تعلیم کا آخری سال ہے، اس کے بعد ہمیں عملی زندگی میں آنا ہے۔ آپ میرا مقصد سمجھ رہے ہیں۔"

"ہاں۔" وہ آہستہ سے بولا۔

"میں چاہتی ہوں مسعود کہ آپ بھی صاف لفظوں میں سب کچھ کہہ دیں، میں اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہہ سکتی۔"

مسعود ایک لمحے تک سوچتا رہا پھر اس نے کہا۔ "میں اپنی اس خوش بختی پر جس قدر ناز کروں کم ہے، لیکن ہمیں کچھ روایتی الجھنوں کا بھی احساس کرنا چاہئے۔"

"مثلاً......" نادیہ نے پوچھا۔

"آپ کے اور میرے درمیان ایک بڑا سماجی فرق ہے، کیا ہم اس فرق کے زیر عتاب نہیں آئیں گے؟"

"ضرور آئیں گے لیکن ایسی تمام داستانیں الم انگیز نہیں ہیں۔ ان میں کچھ داستانوں کے حل بھی نکلے ہیں، میرا خیال ہے ہم بھی ان لوگوں میں شامل ہوں گے جو بالآخر تمام مراحل سے گزر کر منزل تک پہنچ جاتے ہیں۔" نادیہ نے بڑے اعتماد سے کہا۔

مسعود نے اپنا ہاتھ نادیہ کے ہاتھ پر رکھ دیا اور کہنے لگا۔ "مجھے اتنا کچھ مل گیا ہے نادیہ کہ میں...... کچھ کہہ نہیں سکتا، میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ میری تقدیر میں یہ سب کچھ کہاں سے شامل ہوگیا۔"

"تقدیر کے کھیل سمجھ میں کہاں آتے ہیں مسعود صاحب آپ مطمئن رہیں۔"

ادھر نادیہ اپنا یہ سفر آنکھیں بند کر کے طے کر رہی تھی اور ادھر شائل جو بے شک اس سے چھوٹی تھی لیکن بہن کو بے پناہ چاہتی تھی، مشکلات کا شکار ہوگئی تھی۔ باپ کی فطرت کو شاید وہ نادیہ سے زیادہ سمجھتی تھی، جانتی تھی کہ یوسف حمید بیٹیوں کے علاوہ شاید دنیا میں کسی کو نہیں چاہتے لیکن اپنے اقدار پہ انہیں بڑا ناز تھا۔ اپنی حیثیت کو سمجھتے تھے اور کئی بار اس طرح کے واقعات ہو چکے تھے کہ انہوں نے کسی بے حیثیت انسان کو نگاہوں میں کوئی جگہ نہیں دی تھی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ نادیہ نادانی سے آگے تو بڑھ رہی ہے لیکن کہیں ان کے گھر میں بھی کوئی المیہ جنم نہ لے لے۔ ایسی داستانیں اکثر چھپی نہیں رہتیں۔

ایک دن نادیہ کے ڈرائیور نے حق نمک ادا کرتے ہوئے دبی زبان سے یوسف حمید سے کہا۔ "مالک بہت چھوٹا منہ ہے میرا اور بہت بڑی بات منہ سے نکال رہا ہوں جیسے ہی میں اپنی بات ختم کروں آپ جوتا لے کر مجھے اتنا ماریئے کہ مجھے اپنی حماقت کا احساس ہو جائے۔"

"کیا بکواس کر رہے ہو نیاز علی، کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"حضور، میں بڑی سرکار کو یونیورسٹی لاتا اور لے جاتا ہوں، ان کی دوستی آج کل ایک نوجوان سے بہت زیادہ بڑھی ہوئی ہے۔" یہ کہہ کر ڈرائیور نے یوسف حمید کو اس پوری کہانی سے آگاہ کر دیا اور یوسف حمید کا چہرہ اتر گیا۔

"ٹھیک ہے نیاز علی، تم نے بہت اچھا کیا جو یہ بات میرے کانوں تک پہنچا دی لیکن یہ میرے کانوں تک ہی محدود رہے۔"

"صاحب اگر نمک کا حق ادا نہ کرنا ہوتا تو خاموشی اختیار کرتے، آپ کے علاوہ بھلا کس سے یہ بات کہیں گے؟"

یوسف حمید نے ڈرائیور سے تو کچھ نہیں کہا مگر خفیہ طور پر یونیورسٹی سے معلومات حاصل کرنا شروع کر دیں اور چند ہی روز میں انہیں ساری حقیقت کا علم ہوگیا۔ پھر ایک روز انہوں نے خود ان کا پیچھا کیا، نادیہ اپنی کار میں مسعود کو اس کے گھر تک چھوڑنے گئی تھی، یوسف حمید نے مسعود کا گھر دیکھنے کے بعد اس کے بارے میں مزید معلومات حاصل کیں اور اس کے سوا وہ کچھ نہیں جان سکے کہ مسعود تنہا رہتا ہے اور ٹیوشن کر کے اپنے اخراجات پورے کرتا ہے، ان کے تن بدن میں آگ لگ گئی تھی، ان کا سوسائٹی میں انتہائی اعلیٰ مقام تھا، عزت تھی، وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ ان کے نام کے ساتھ بھی ایسی کوئی کہانی وابستہ ہو سکتی ہے۔ وہ بری طرح بدحواس ہوگئے تھے اور دن رات اس مسئلے کا حل تلاش کرنے میں مصروف تھے۔ انہوں نے نادیہ سے کوئی بات نہیں کی، اس کا انہیں اندازہ تھا کہ بیٹیوں کو انہوں نے بھرپور آزادی دی ہے اور اس آزادی نے ان کے اندر ایک خودسری بھی پیدا کر دی ہے۔

نادیہ خاصی ضدی لڑکی تھی اور جو فیصلہ کر لیتی تھی وہ آخری ہی ہوتا تھا۔ اس کی دوسری بچکانہ ضدوں کی تو خیر تھی لیکن یہ بے حد سنگین مسئلہ تھا۔ ان کی زندگی بھر کی بنی بنائی عزت خاک میں مل رہی تھی، اس سلسلے میں وہ جھکنے کے لئے بالکل تیار نہیں تھے۔

بہت سوچا۔ کئی منصوبے زیر غور آئے، نادیہ کی فطرت کا جائزہ لیا۔ اس کے کمزور پہلو تلاش کئے لیکن کوئی قابل عمل بات نہ سوجھ سکی۔ آخر یہی سوچا کہ تعلیم ختم ہوتے ہی نادیہ کی شادی کر دی جائے۔ لیکن خوفزدہ تھے اور کسی کو اس راز میں شریک کرتے ہوئے ڈرتے تھے کہ بات منہ سے نکل کر پرائی ہو جاتی ہے۔ بہتر تھا کہ گھر کی بات گھر ہی میں رہے اور باہر والوں کو ہوا بھی نہ لگے۔ بڑی بہن ماں کا درجہ رکھتی تھیں، حالانکہ یہ ان کی فطرت میں شامل نہیں تھا کہ گھر کے لوگوں کو اپنی ذاتی الجھنوں میں شامل کریں۔ لیکن یہ مسئلہ تو خالص گھر کا ہی تھا بہت غور و خوض کے بعد زاہدہ بیگم سے بات کرنے کا فیصلہ کر لیا اور انہیں اپنے کمرۂ خاص میں لے گئے۔

"باجی، آپ کی دعائیں ہمیشہ میرے ساتھ رہی ہیں، ہر مشکل میں آپ نے میری بڑی مدد کی ہے، ایک الجھن ہے جو میں آپ سے عرض کرنا چاہتا ہوں۔"

"کہو یوسف کیا بات ہے، کافی پریشان نظر آرہے ہو؟"

"زاہدہ بیگم نے کہا اور یوسف حمید نے اب تک کی سنی ہوئی ساری کہانی انہیں بتا دی اور زاہدہ بیگم بھی ہونق بن کر رہ گئیں۔ انہوں نے کافی دیر تک گردن جھکائے رکھی تھی پھر وہ بولیں۔ "وقت اتنا ہی آگے بڑھ گیا ہے یوسف، ایسا لگتا ہے کہ اب کوئی گھر ان کہانیوں سے خالی نہیں ہے، پتہ نہیں معاشرے میں اتنا بگاڑ کیوں پیدا ہوگیا ہے۔"

"باجی یہ سب کچھ زندگی کا ایک حصہ ہے لیکن کبھی کبھی یہ کہانیاں بڑی تکلیف دہ شکل اختیار کر لیتی ہیں۔ اگر نادیہ کسی ایسی شخصیت سے متاثر ہوتی، جس کا اپنا بھی کوئی مقام ہوتا تو شاید میں اپنی بیٹیوں کے سلسلے میں اتنی ضد نہ کرتا لیکن وہ انتہائی ناکارہ نوجوان ہے، شعر و شاعری کا رسیا، معمولی سے گھر میں رہنے والا، آپ سوچ نہیں سکتیں۔ شکل و صورت بے شک اچھی ہے لیکن اچھی شکل و صورت اچھی فطرت تو نہیں بن سکتی، باجی صحیح بات یہ ہے کہ میں پریشان ہوگیا ہوں، ابھی تھوڑے ہی دن پہلے کی بات ہے، میرے ایک دوست ہیں اجمل صاحب۔ بہت بڑے آدمی ہیں، دنیا کے کئی ملکوں میں ان کا کاروبار پھیلا ہوا ہے، ان کا بیٹا صغیر احمد ہے، اچھا خاصا پڑھا لکھا ہے، باپ کے کاروبار کو سنبھالا ہوا ہے۔ کردار میں کوئی خامی نہیں ہے۔ اجمل صاحب مجھ سے نادیہ اور شائل کے بارے میں معلومات حاصل کر رہے تھے، دبے الفاظ میں انہوں نے یہ بھی پوچھا کہ بیٹیوں کا رشتہ کہیں طے تو نہیں کیا۔ وہ تو خدا کا شکر ہے کہ میں نے اس سلسلے میں مزید کوئی بات نہیں کی جبکہ اگر وہ اس کا آغاز کرتے تو میں ضرور انہیں اہمیت دیتا، ہر طرح سے میرے ہم پلہ ہیں۔ میری فطرت کو آپ جانتی ہیں، میں نے بڑی مشکل سے روشنیاں حاصل کی ہیں اور میں ان روشنیوں کو قائم رکھنا چاہتا ہوں، ہر قیمت پر، چاہے مجھے کوئی سخت ہی قدم کیوں نہ اٹھانا پڑے۔"

"میں تمہاری پریشانی سمجھتی ہوں یوسف لیکن خدارا کسی معاملے میں جلد بازی مت کرو۔ میں نادیہ سے بات کرتی ہوں بلکہ اسے بتا دیتی ہوں کہ تمہیں سب کچھ معلوم ہو چکا ہے۔"

"میں تو اب خوفزدہ ہوگیا ہوں، خدانخواستہ کہیں شائل بھی کسی ایسی الجھن میں نہ پڑ گئی ہو۔"

"اللہ نہ کرے، میں بات کرتی ہوں نادیہ سے اور بتاؤں گی تمہیں اس بارے میں۔" زاہدہ بیگم نے کہا۔

ادھر نادیہ بہت تیز رفتاری سے آگے کا سفر طے کر رہی تھی۔ مسعود اب اس کے لئے بہت اہمیت اختیار کر گیا تھا۔ پہلے بھی اس نے کھل کر مسعود کی جانب قدم بڑھائے تھے اور اب بھی مسعود کے لئے آنکھوں میں خوش آئند خیالات کی قندیلیں روشن کئے ہوئے تھی۔ بہرطور یہ سارا سلسلہ جاری تھا، پھر ایک دن زاہدہ بیگم نے موقع پا کر نادیہ کو پکڑ لیا۔

"بیٹی بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ میں نے تمہارا وقت ضائع کیا ہو، کبھی کبھی کچھ ضرورتیں آ جاتی ہیں، مجھے کچھ وقت دو گی؟"

"کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ پھوپھی جان، آپ کے لئے وقت ہی وقت ہے۔"

"آؤ بیٹھو۔" زاہدہ بیگم نے کہا اور نادیہ ان کے قریب ہی مسہری پر بیٹھ گئی۔

"بیٹا! اصل میں صورت حال یہ ہے کہ بعض اوقات زندگی مشکل لمحات کا شکار ہو جاتی ہے، تمہیں معلوم ہے کہ میں نے یوسف حمید کو ماں بن کر پرورش کیا ہے؟"

"آپ ہمارا سب کچھ ہیں پھوپھی جان۔ میرے لائق کوئی خدمت ہو تو بتایئے؟"

"اصل میں پچھلے کچھ دنوں سے یوسف تم دونوں بہنوں کے بارے میں سوچ رہے ہیں۔ ساری باتیں اپنی جگہ لیکن بہرحال انہیں دنیا کی راہ رسمیں تو نبھانا ہی پڑیں گی اور پھر بیٹیاں جس قدر جلد اپنے گھروں کی ہو جائیں اچھا رہتا ہے۔"

نادیہ ہنسنے لگی پھر بولی۔ "آپ بڑی دقیانوسی باتیں کر رہی ہیں پھوپھی جان، یہ میرا اپنا گھر نہیں ہے کیا؟"

"اور تم بھی عام لڑکیوں کی طرح بڑی معصومانہ باتیں کر رہی ہو، یہ تمہارا گھر نہیں ہے، غلط فہمی کا شکار ہو تم۔"

"گڈ ویری گڈ، تو پھر میرا گھر کہاں ہے؟"

"یہی تو مسئلہ زیر بحث ہے ان دنوں، شاید تم اجمل صاحب کو نہ جانتی ہو۔ جانتی تو میں بھی نہیں ہوں لیکن یوسف نے مجھ سے اس سلسلے میں بات کی ہے۔"

"اجمل صاحب...... نام تو سنا ہوا ہے۔"

"کاروباری آدمی ہیں، بیٹا ہے ان کا صغیر احمد۔"

"سمجھ گئی...... تو پھر......؟"

"یوسف صاحب، صغیر احمد سے تمہاری شادی کرنا چاہتے ہیں۔"

"غلط خیال ہے ڈیڈی کا پھوپھی جان، آپ اس سلسلے کو یہیں روک دیں تو بہتر ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ ابھی مجھے اس کی کوئی جلدی نہیں ہے۔"

"یہ تو تمہارا کہنا ہے نا۔ یوسف دوسرے انداز میں سوچتے ہیں اور پھر بیٹی یہ تو صدیوں کی ریت ہے کہ والدین بیٹیوں کے سلسلے میں اس طرح کے فیصلے کرتے چلے آئے ہیں۔"

"صدیوں کی ریت اب کافی حد تک بدل گئی ہے پھوپھی جان۔ زندگی کے فیصلے اب والدین کو نہیں کرنے چاہئیں بلکہ انہیں اپنے بچوں کے فیصلوں کا انتظار کرنا چاہئے۔ ڈیڈی سے یہ سوال کیجئے کہ کیا وہ میری زندگی کی آخری سانس تک میرا ساتھ دے سکیں گے۔ اگر وہ مجھے اس کی گارنٹی دے دیتے ہیں تو ٹھیک ہے جیسا وہ کہیں گے میں کروں گی۔ انہیں میری زندگی کے آخری لمحے تک میرے ساتھ جینا ہوگا۔"

"تم کیسی باتیں کر رہی ہو نادیہ؟"

"وہ باتیں جن کا تعلق زندگی اور حقیقت سے ہے۔" نادیہ نے جواب دیا۔

"زندگی کی سب سے بڑی حقیقت جانتی ہو؟"

"بہت سی باتیں نہیں جانتی، بتا دیجئے۔" نادیہ انتہائی بے باکی سے بولی۔

"ہم جس معاشرے کے فرد ہیں ہمارے آباؤ اجداد نے جس طرح زندگی گزاری ہے اس میں والدین کا ایک بڑا مقام ہے اور اس بات کو شاید دنیا کے جدید ترین لوگ نظر انداز نہ کر سکیں کہ اولاد والدین ہی کے وجود کا ایک حصہ ہوتی ہے۔ میں زیادہ وضاحت میں نہیں جاؤں گی لیکن جو الفاظ میں کہہ رہی ہوں اس کی تردید دنیا کا کوئی بھی شخص نہیں کر سکتا۔"

"ٹھیک ہے، بالکل ٹھیک ہے، میں بھی ایک سوال کروں۔" نادیہ نے پوچھا اور زاہدہ بیگم گھبرائی ہوئی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگیں۔ کچھ بھی سہی پھر بھی تھوڑے سے پرانے وقت کی خاتون تھیں۔ اس بے باکی کا انہوں نے خواب میں بھی تصور نہیں کیا تھا، جس کا مظاہرہ نادیہ اس وقت کر رہی تھی۔ اندر ہی اندر وہ گھبرا رہی تھیں، بے شک یوسف نے انہیں ایک بہت اہم ذمے داری سونپی تھی لیکن نادیہ نے گفتگو کے آغاز میں ہی انہیں ناک آؤٹ کر دیا تھا اور اب وہ اپنے ہر جملے پر بوکھلا رہی تھیں۔ نادیہ کچھ لمحے تک سوچتی رہی پھر بدستور اسی لہجے میں بولی۔

"اولاد والدین کی طلب بھی ہوتی ہے اور ان کی تقدیر کا حصہ بھی لیکن آپ مجھے ایک بات بتائیں گی پھوپھی جان، کیا وہ انہی کی مرضی سے پیدا ہوتی ہے، کیا والدین یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ آنے والے وقت میں نادیہ، شائل یا کوئی اور اس دنیا میں آنے والا ہے۔ یہ سب ایک عمل ہے۔ آپ کی پرورش آپ کے والدین نے کی، آپ اپنی اولاد کی پرورش کر رہے ہیں کیونکہ یہ آپ کی ذمے داری ہے۔ جسے آپ اس دنیا میں لائے ہیں، وہ آپ کی ذمے داری ہے۔ آپ اس کے مالک نہیں ہیں بلکہ صرف نگراں ہیں اور جب وہ اپنے پیروں پر کھڑا ہو جائے تو آپ کا کام ختم ہو جاتا ہے۔ اس پر قبضہ نہ جمائیں بلکہ اس سے تعاون کریں، اس کی خوشی کو سامنے رکھیں۔ کیا سمجھیں آپ؟"

"صرف ایک بات۔" زاہدہ بیگم نے کہا۔

"وہ کیا؟"

"اس گھر پر کوئی برا وقت آنے والا ہے۔"

(جاری ہے)

زاہدہ بیگم نے یوسف حمید سے ملاقات کی، وہ خود اس سلسلے میں زاہدہ بیگم کی طرف سے جواب ملنے کے منتظر تھے۔

''جی باجی، کیا صورت حال ہے؟'' انہوں نے سوال کیا۔ زاہدہ بیگم کے چہرے پر پریشانی کی لکیریں دیکھ کر انہیں اندازہ ہوگیا تھا کہ کوئی بات نہیں بن سکی۔

''کیا ہوا، کیا تم نے نیک اور شریف انسان کی طرح ان سے یہ وعدہ کرلیا کہ جناب! میں ایک شریف آدمی ہوں، آپ سے کچھ نہیں لینا چاہوں گا اور آپ کی بیٹی سے کنارہ کش ہوجاؤں گا۔ میں جانتی ہوں انہوں نے تم سے کیا کہا ہوگا۔ کچھ تضحیک آمیز باتیں بھی کی ہوں گی، پیشکشیں بھی کی ہوں گی، دراصل یہ ساری فلمی کہانیاں لوگوں کے ذہنوں میں بیٹھی ہوئی ہیں۔ ایک ہی انداز میں کام ہوتا ہے، کوئی تبدیلی پیدا کرنا کوئی پسند نہیں کرتا۔''

لگن

ایم اے راحت

قسط : 2

''تمہیں معلوم ہے یوسف، وقت بڑا بدل گیا ہے اور حالات بہت ہی بڑے ہوگئے ہیں۔ وہ کہتی ہے کہ نوجوان نسل کو اس کی مرضی سے زندگی گزارنے کی اجازت ملنی چاہئے۔''

''میں کسی قیمت یہ نہیں ہونے دوں گا، میں اس سے خود بات کرتا ہوں۔''

''میری مانو یوسف تو ایسا نہ کرو، تمہارا غصہ تیز ہے۔ میں نہیں چاہتی کہ وہ تمہارے سامنے زبان کھول دے۔''

''میں اس کی زبان کھینچ لوں گا، سمجھتی کیا ہے خود کو؟'' یوسف حمید نے کہا۔

''نہیں غصہ نہیں، ایسے مشکل معاملے غصے سے حل نہیں ہوتے، تم اس سے بات نہ کرنا، یہ مناسب نہیں ہوگا۔''

''ٹھیک ہے پھر ایک مہینے کے اندر اندر میں اجمل کے بیٹے سے اس کی شادی کردوں گا، میں اس سے بات کرتا ہوں۔''

''یہ بھی مناسب نہیں ہوگا، تم سوچ رہے ہوگے کہ میں تمہاری ہر بات کاٹ رہی ہوں، مگر یوسف میں اس گھر کا بھرم قائم رکھنا چاہتی ہوں۔ میں اس گھر کی عزت کو ایک معمولی سے حادثے کے تحت برباد نہیں ہونے دوں گی۔''

''تو پھر مجھے بتایئے میں کیا کروں، میں اجمل سے بات تو کرتا ہوں، میرے دوست ہیں مشورہ لوں گا۔''

''میں بس یہی کہوں گی کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ہر مشکل سے بچائے، یہ سب کچھ نہ کرو تو بہتر ہے، ہم سوچ سمجھ کر بات کریں گے۔''

''ٹھیک ہے میں دیکھوں گا کہ میں کیا کرسکتا ہوں۔'' یوسف حمید نے کہا اور گہری سوچ میں ڈوب گئے۔

وہی تمام روایتی عمل ہورہا تھا، یوسف حمید پہلے ہی ان لوگوں کا پیچھا کرکے مسعود کے گھر کا پتہ لگا چکے تھے، وہ ایسے وقت میں مسعود کے گھر پہنچے جب مسعود گھر میں موجود تھا۔ اپنی شاندار قیمتی کار کو انہوں نے بہت دور کھڑا کیا تھا اور پیدل ہی یہ راستہ طے کرکے مسعود کے گھر پہنچے تھے، دروازہ مسعود نے ہی کھولا تھا۔

''غالباً آپ مجھے نہ جانتے ہوں، اگر اندر آنے کی اجازت دیں تو کچھ وقت لینا چاہتا ہوں آپ کا۔''

''تشریف لایئے جناب۔''

''میرا نام یوسف حمید ہے، نادیہ کا باپ ہوں۔'' مسعود نے انہیں بیٹھنے کی پیشکش کی اور نیازمندی سے ان کے سامنے کھڑا ہوگیا۔

''تشریف رکھئے، بہت ہی باادب ہیں آپ مسعود صاحب، آپ کے والدین، آپ کے ماضی کے بارے میں، میں نے معلومات حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی، کیونکہ اس کی ضرورت مجھے نہیں محسوس ہوئی، البتہ آپ سے کچھ گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔''

مسعود کا چہرہ پہلے ہی اتر گیا تھا، اس نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔ ''جی فرمایئے۔''

''سنا ہے آپ اور نادیہ کے درمیان محبت کے رشتے استوار ہوئے ہیں، سنئے باادب رہنا اچھی بات ہے، لیکن چالاکی کا مظاہرہ کرنا بری بات جو کچھ جواب دینا ہے کھل کر دیجئے گا۔''

''جی، ہم دونوں ایک دوسرے سے متاثر ہیں۔''

''اور شادی کرنا چاہتے ہیں؟''

جواب میں مسعود نے سر جھکا لیا تھا۔

''صاحب زادے، تھوڑا سا تعارف اپنا کرادوں، میں نے بھی ایک غریب گھرانے میں جنم لیا تھا، میرے پاس کچھ بھی نہیں تھا، محنت مزدوری کی، زندگی داؤ پر لگادی تب کہیں جاکر یہ سب کچھ حاصل کیا ہے، آپ اتنے مختصر راستے سے میری دولت تک پہنچنا چاہتے ہیں۔''

مسعود نے پہلی بار یوسف صاحب کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں، مدھم سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ ''جناب آپ نے جو دولت کمائی، میری طرف سے اس کے لئے مبارکباد قبول فرمائیں، میرا جہاں تک معاملہ ہے، میں بھی ایک خوددار انسان ہوں، بے شک اس وقت میرے پاس کچھ نہیں ہے لیکن میں زندگی میں آگے بڑھنے کی خواہش رکھتا ہوں، تعلیم کی تکمیل کے بعد میں زندگی بنانے کی جدوجہد شروع کروں گا۔''

''اور کروڑپتی بن جاؤ گے وہ بھی چند دنوں کے اندر۔''

''نہیں، کروڑپتی میں کبھی نہیں بنوں گا، میں شاعر ہوں، میرے دل میں دنیا کا شدید احساس ہے، دنیا کا ہر نوجوان کروڑپتی نہیں بن سکتا، لیکن دنیا کے ہر نوجوان کے دل میں محبت کے جذبات پیدا ہوسکتے ہیں۔''

''شاعری شروع کردی تم نے میرے سامنے بھی۔'' یوسف حمید نے مذاق اڑاتے ہوئے کہا۔

''جذبات کا اظہار نثر میں کیا جائے یا نظم میں بات جذبات کے اظہار کی رہتی ہے۔''

''سنو اگر تمہیں کوئی اچھی ملازمت درکار ہے میں تمہیں ملازمت دوں گا، اگر تمہیں تھوڑی بہت رقم درکار ہے تو میں تمہیں وہ رقم دوں گا، اپنی عزت بچانے کے لئے لیکن اس کے بعد تم یہ شہر چھوڑ دوگے، بلکہ شہر کیا چھوڑ دوگے نادیہ سے صاف صاف کہہ دوگے کہ تم اس کا ساتھ نہیں دے سکتے۔''

''ایک منٹ جناب، یہ فرسودہ کہانیاں سنتے سنتے دماغ پک گیا ہے، کیا یہ نہیں ہوسکتا کہ آپ جیسے بڑے بڑے حضرات ان کہانیوں میں کوئی تبدیلی پیدا کریں۔''

''بہت زیادہ چرب زبان بن رہے ہو، سوچ لو، تمہیں یہ گھر چھوڑنا ہے، اگر مجھ سے کچھ نہیں لینا ہے تب بھی تمہیں یہ گھر چھوڑ دینا ہے۔'' یوسف حمید نے کہا اور پھر اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولے۔ ''ورنہ ایک اور فرسودہ روایت سامنے آجائے گی، یعنی میں تمہیں کوئی نقصان پہنچادوں گا، غور کرلینا اس بات پر۔'' وہ واپسی کے لئے پلٹے اور اس کے بعد دروازے سے باہر نکل گئے، مسعود سادہ سی نگاہوں سے انہیں دیکھ رہا تھا۔ اس کے ذہن میں بہت سے خیالات آرہے تھے، ہمدردی کا ایک احساس بھی اس کے دل میں تھا۔ بیشک نادیہ سے اسے اب بہت زیادہ پیار ہوگیا تھا اور نادیہ کے بغیر زندگی گزارنے کا تصور بھی ایک بھیانک خواب کی مانند تھا لیکن یہ بات بھی اچھی طرح جانتا تھا کہ یوسف حمید کی پریشانی بجا ہے۔ ایک دولت مند باپ اسی انداز میں سوچتا ہے۔

یوسف حمید کو گئے ہوئے زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ دروازے پر پھر دستک ہوئی اور دوسرے ہی لمحے نادیہ اندر داخل ہوگئی۔ اس کے چہرے پر ایک خوداعتمادی جھلک رہی تھی، وہ نادیہ کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔

''ابھی ابھی......'' اس نے کہنا چاہا لیکن نادیہ نے اس کی بات کاٹ دی۔

''ہاں میں ڈیڈی کا پیچھا کرتی ہوئی یہاں تک آئی ہوں۔''

''بیٹھو نادیہ تم سے کچھ بات کرنا چاہتا ہوں میں۔''

''کیا کہہ رہے تھے ڈیڈی؟''

''اسی موضوع پر تم سے بات کرنا چاہتا ہوں۔''

مسعود ہنسنے لگا پھر بولا۔ ''ہم تبدیلی پیدا کرتے ہیں نادیہ۔''

''میری بات سنو۔ میں نے ایک فلیٹ کرائے پر لے لیا ہے۔''

''کیا؟'' مسعود حیرت زدہ رہ گیا۔

''ہاں مسعود، میں اپنے والد کو جانتی ہوں، پھوپھی جان نے مجھ سے بات کی تھی اور میں نے ان سے کہہ دیا تھا کہ میں والد صاحب کی مرضی سے زندگی نہیں گزار سکتی، اپنے مستقبل کا فیصلہ مجھے خود کرنا ہے، میں نے ان کی تمام پیشکشیں مسترد کردی تھیں لیکن اس کے بعد میں جانتی تھی کہ ادھر سے کیا ہوگا اور اس کے جواب میں مجھے کیا کرنا ہے۔''

''نادیہ خدا کی قسم مجھے یہ سب کچھ اچھا نہیں لگ رہا، میں جانتا ہوں کہ یوسف صاحب کی مشکل کیا ہے، ہر انسان کی ایک عزت ہوتی ہے۔''

''اور ہر انسان کی ایک زندگی ہوتی ہے۔ میں جانتی ہوں کہ تم انتہائی نیک نفس انسان ہو، ایک دردمند دل کے مالک، تم کچھ کر نہیں سکتے، ذمہ داری میں نے خود سنبھال لی ہے، میں نے ایک فلیٹ کرائے پر لے لیا ہے۔ آرام سے یہ گھر چھوڑ دو، اگر کپڑے ہیں تو لے لو اپنے ساتھ، باقی اس کو تالا لگادو۔ کرایہ وغیرہ ہم اس کا پہنچادیا کریں گے اور جب خالی کرنا ہوگا خالی کردیں گے۔ فی الحال تم اس فلیٹ میں منتقل ہوجاؤ کیونکہ والد صاحب کوئی خطرناک قدم بھی اٹھا سکتے ہیں۔ دوسری بات بھی جناب میں نے کر ڈالی ہے، آپ حیران ہوں گے، میرے بینک اکاؤنٹ میں کافی رقم پڑی ہوئی تھی، تھوڑی سی رقم چھوڑ کر میں نے وہ رقم دوسرے بینک میں منتقل کردی ہے، انسان کو اگر وقت سے پہلے عقل نہ آجائے تو اسے انسان نہیں گدھا کہتے ہیں۔ میں جانتی تھی کہ میرے والد محترم کیا کچھ کرسکتے ہیں، وہ میرا اکاؤنٹ منجمد کرادیتے، بڑے زبردست تعلقات ہیں ان کے، میں نے فوراً ہی وہ اکاؤنٹ دوسری جگہ منتقل کردیا ہے۔''

''دیکھو میں......''

''کیسی باتیں کرتے ہو مسعود، میں نے وہ قدم اٹھائے ہیں جو ایک لڑکی نہیں اٹھا سکتی، اور تم ہچکچاہٹ کا مظاہرہ کررہے ہو۔''

مسعود کو اس کے ساتھ اس فلیٹ پر جانا ہی پڑا جو اس نے کرائے پر حاصل کیا تھا۔ دو کمروں کا چھوٹا سا فلیٹ تھا اور مزے کی بات یہ تھی کہ نادیہ نے اس میں تمام انتظامات کرلئے تھے۔ کھانے پینے کی اشیاء اور دوسری ضروری چیزیں۔ مسعود ان باتوں سے بہت متاثر ہوا تھا، اس نے شرمندگی سے گردن جھکاتے ہوئے کہا تھا۔ ''نہیں نادیہ، جو کچھ تم کررہی ہو وہ سارے کام میرے ہیں۔ میں اگر جھجک رہا ہوں تو صرف اس بات پر کہ یوسف صاحب تمہارے ڈیڈی ہیں، شہر کی ایک معزز اور اہم شخصیت کے مالک، اگر یہ بات دنیا تک پہنچی تو......''

''دیکھو میری بات سنو، وہ میرے والد ہیں نا، میرے باپ ہیں نا وہ، اور تم یقین کرو مسعود کہ میں نے زندگی میں کبھی اپنے باپ سے انحراف نہیں کیا، ہر بات مانی ہے ان کی۔ وہ ضدی ہیں خود پرست ہیں لیکن یار کسی کی زندگی کا مالک تو نہیں بننا چاہئے۔ دیکھو میری بات سنو اگر ڈر لگ رہا ہے، اگر اس بات سے خوفزدہ ہو کہ آنے والے وقت میں یوسف حمید صاحب اپنے تعلقات سے کام لے کر تمہیں کوئی نقصان پہنچا سکتے ہیں تو یقین کرو مجھے تمہاری زندگی عزیز ہے، میں پیچھے نہیں ہٹوں گی۔''

مسعود کو خاموش ہونا پڑا، کچھ لمحے خاموشی کے بعد اس نے کہا۔ ''ٹھیک ہے نادیہ، تمہارے لئے میں دنیا کی ہر تکلیف اٹھانے کے لئے تیار ہوں، میں تو بس یہ سوچ رہا تھا کہ میری بے بسی تمہارے لئے عذاب بن رہی ہے لیکن کوئی بات نہیں نادیہ اگر تم میرے لئے اس قدر سب کچھ کرنے پر آمادہ ہو تو میں تم سے پیچھے نہیں رہوں گا، میں تمہیں وہی تحفظ دوں گا جو ایک مرد کسی عورت کو دے سکتا ہے۔''

''اس کے علاوہ مجھے اور کچھ نہیں چاہئے، مسعود میں جانتی ہوں میرے والد بہت ضدی ہیں، وہ مجھے کوئی مقام دینے پر تیار نہیں ہوں گے لیکن میں تمہارے ساتھ محنت مزدوری کرکے اپنی زندگی انتہائی خوشی سے گزار سکتی ہوں، یار بات یہ ہے کہ کسی کے ہوجاؤ یا کسی کو اپنا بنالو۔''

☆......☆......☆

''شمائل زندگی کبھی کبھی اس طرح تبدیل ہوجاتی ہے کہ انسان سوچ بھی نہ سکے، اب تم دیکھو ہم لوگوں نے کس طرح ایک ساتھ زندگی گزاری ہے لیکن وقت کچھ اس طرح کے حوالے دے رہا ہے کہ آئندہ شاید ہم لوگ ساتھ نہ رہ سکیں۔'' نادیہ نے اپنی بہن شمائل سے کہا۔

شمائل نے خوفزدہ نگاہوں سے نادیہ کو دیکھا اور بولی۔ ''ان دنوں گھر میں خاصی کھچڑی پک رہی ہے۔ پھوپھی جان ڈیڈی کو یہ سمجھانے میں معروف ہیں کہ بدلے ہوئے وقت کا ساتھ دیا جائے، بچوں کو ان کی مرضی کے مطابق جینے کا موقع دینا چاہئے۔ لیکن ڈیڈی کافی سخت ہورہے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ تو ممکن نہیں کہ میں بیٹیوں کے ہاتھوں میں کھلونا بن جاؤں۔ میں نے اپنی بیٹیوں کو اپنے حساب سے پالا ہے، میں بے شک خود بھی کشادہ ذہن کا مالک ہوں لیکن یہ نہیں ہوسکتا کہ اپنی بیٹیوں کو ناکارہ لوگوں کے ہاتھ میں دے دوں، نادیہ کم عمر ہے وہ کیا جانتی ہے اس شخص کے بارے میں جس کا نام مسعود ہے، وہ کیا ہے لیکن اگر وہ کچھ ہے بھی تب بھی یہ حق میرے پاس ہے کہ اپنی بیٹیوں کی شادی پوری دیکھ بھال کرکے کروں۔ میں ابھی نہیں چاہ رہا کہ بات اپنے منہ سے باہر نکالوں لیکن میں جب بھی چاہوں اجمل صاحب سے بات کرکے نادیہ کو صغیر کے حوالے کرسکتا ہوں، یہ حق میرے پاس ہے۔''

''نہیں یہ حق ڈیڈی کے پاس نہیں ہے، کسی قیمت پر نہیں ہے شمائل۔''

''یار نادیہ، مجھے تو بڑا ڈر لگنے لگا ہے۔''

''نہیں تم نہ ڈرو شمائل، تمہیں اپنے مطابق زندگی گزارنی ہے لیکن میں نے یہ فیصلہ کرلیا ہے کہ میں مسعود سے شادی کروں گی۔''

''ڈیڈی نہ چاہیں تب بھی۔''

''تم ایک بار ڈیڈی سے بات کرو انہیں سمجھاؤ۔''

''اور اگر وہ نہ مانیں تو۔''

''یہ میں تمہیں بعد میں بتاؤں گی کہ اگر وہ نہ مانے تو مجھے کیا کرنا ہے؟''

☆......☆......☆

شمائل نے یوسف صاحب کے کمرے میں قدم رکھا، یوسف صاحب اس وقت ایک آرام کرسی پر دراز پائپ کے گاڑھے گاڑھے کش لے رہے تھے، بیٹی کو دیکھ کر ان کے چہرے پر تھوڑی تبدیلی رونما ہوئی اور پھر انہوں نے نرم لہجے میں کہا۔ ''آؤ شمائل بیٹے کوئی بات ہے؟''

''جی ڈیڈی، آپ سے بات کرنا چاہتی ہوں۔''

''ہاں......بولو۔''

''ڈیڈی آپ ان دنوں مجھے کچھ پریشان نظر آرہے ہیں۔'' یوسف حمید چند لمحے سوچتے رہے پھر بولے۔ ''بیٹھو بیٹا، میں واقعی ان دنوں پریشان ہوں۔''

''ہم آپ کی بیٹیاں ہیں ڈیڈی، آپ ہمیں بتایئے کیا بات ہے؟''

''بیٹا، دراصل میری پریشانی کی وجہ تم دونوں ہی ہو۔''

''اوہ...... مجھے افسوس ہے ڈیڈی کہ ایسی کوئی بات ہوئی کہ ہم آپ کی پریشانی کا باعث بنے۔''

''دیکھو بیٹا، میری کائنات میں تم دونوں کے سوا کچھ بھی نہیں ہے، میں ذرا حقیقت پسند آدمی ہوں، تمہاری ماں کی موت کے بعد میرے تمام راستے تمہاری ہی جانب جاتے رہے ہیں، باجی میری ماں کی طرح ہیں، لیکن بہرحال ان کے لئے وہ مقام تو نہیں ہوسکتا جو تمہارے لئے ہے، نادیہ ان دنوں نادانیوں کا شکار ہوگئی ہے اور میں جانتا ہوں تمہیں اس سلسلے میں ضرور علم ہوگا، بلکہ میں سوچ بھی رہا تھا کہ تم سے کہوں کہ نادیہ کو سمجھاؤ، بولو، کیا تم مسعود کے بارے میں جانتی ہو؟''

''ہاں ڈیڈی جانتی ہوں۔''

''کیا جانتی ہو؟''

''صرف اتنا کہ وہ نادیہ کا کلاس فیلو ہے۔''

''اور کچھ؟''

''اور یہ ڈیڈی کہ نادیہ اس سے شادی کرنا چاہتی ہے۔''

''گڈ مجھے یقین تھا، بہرحال تم دونوں بہنیں ایک دوسرے کی رازدار ہوگی۔ یہ بتاؤ تمہارے اپنے خیال میں کیا یہ جائز ہے۔ مسعود ایک چھوٹے سے گھر میں کرائے پر رہتا ہے، اس کا دنیا میں کوئی نہیں ہے، ٹیوشن کرکے اپنی تعلیم جاری رکھے ہوئے ہے، نوکری کرے گا، زیادہ سے زیادہ دس بیس ہزار روپے کی نوکری مل جائے گی اسے تم جانتی ہو کہ نادیہ کا جیب خرچ ہی اس سے زیادہ ہے۔ کیا نادیہ گزارا کرلے گی اس کے ساتھ۔ دیکھو بیٹا جوانی نادانیوں کا نام ہے۔ جوانی میں کبھی کبھی کوئی کسی سے اس طرح متاثر ہوجاتا ہے کہ اپنا سب کچھ برباد کرنے پر تل جاتا ہے لیکن زندگی کی حقیقتیں جب سامنے آتی ہیں تو احساس ہوتا ہے کہ غلطی ہوگئی۔ مگر بیٹے اس کے بعد اس غلطی کا کوئی ازالہ نہیں ہوتا، ہمارا اپنا ایک مقام ہے، ایک اسٹیٹس ہے، ایک طرز زندگی ہے۔ جن لوگوں میں ہم اٹھتے بیٹھتے ہیں وہ بہت مختلف لوگ ہیں۔ جبکہ مسعود کے اردگرد کچھ بھی نہیں ہے، وہ کبھی اس قابل نہیں ہوسکتا کہ ہمارا ہم پلہ بن جائے۔''

''ڈیڈی ایک بات کہوں آپ سے۔''

''میں جانتا ہوں تم کیا کہوگی، تم کہوگی کہ نادیہ کی شادی اس سے کرکے اسے میں کوئی مقام دے دوں۔ دیکھو بیٹا، ایک بات میں کہوں، ہر شخص کی اپنی ایک انا، ایک ضد، ایک مزاج ہوتا ہے۔ میرا بھی اپنا ایک مزاج ہے۔ دیکھو بیٹی، میں نے یہ ساری دولت اپنی محنت اور اپنی مشقت سے پیدا کی ہے، میں بالکل نہیں چاہوں گا کہ یہ کسی ایسے انسان کے تصرف میں چلی جائے جو بذات خود کچھ بھی نہ ہو، دیکھو اجمل میرے دوست ہیں، صغیر ان کا بیٹا ہے، میں نے اس کے بارے میں مکمل چھان بین کی ہے، وہ کے چار اور چار کے آٹھ بنانا جانتا ہے، ایسا شخص جو میری دولت کے کسی حصے کا مالک بن جائے تو یقیناً میری دولت میں بھی چار چاند لگائے گا اور چار چاند کس کے لئے لگائے گا، نادیہ کے لئے۔ میں نادیہ کے نام پر اسے بہت کچھ دے سکتا ہوں لیکن کسی ایسے آدمی کو جو صرف نادیہ کی ملی ہوئی دولت کو خوشی سے خرچ کرے، میں کبھی بھی اپنے ساتھ شامل نہیں کرسکتا، دیکھو یہ میرا موقف ہے اور میں اپنے اس موقف میں انتہائی مضبوط اور مستحکم ہوں، شمائل میری بیٹی میری مدد کرو، نادیہ کو سمجھاؤ کہ مسعود جیسے شخص کو اپنے سر پر مسلط نہ کرے، بجائے اس کے کہ میں سختی پر اتر آؤں اور اگر میں سختی پر اتر آؤں تو تم خود سوچو کہ نادیہ کیا کرسکتی ہے، مسعود کو نقصان بھی پہنچ سکتا ہے، اسے سمجھاؤ کہ مجھے ضد پر آمادہ نہ کرے۔''

''ڈیڈی اگر ہوسکے تو آپ غور کریں۔''

''وہی بکواس کررہی ہو، کیا تم چاہتی ہو کہ میں تم دونوں کے ہاتھوں بلیک میل ہوجاؤں شمائل۔ تم بھی ایسا ہی کوئی قدم اٹھا سکتی ہو، میں تم سے بھی کنارہ کشی اختیار کرلوں گا۔ میں بھول جاؤں گا کہ میں صاحب اولاد ہوں، سمجھ رہی ہو نا، گزارا کرلوں گا میں زندگی میں کسی نہ کسی طرح لیکن تم لوگوں کے ہاتھوں بلیک میل نہیں ہوں گا۔ جاؤ اسے سمجھا دو کہ مجھے سختی پر آمادہ نہ کرے۔'' یوسف حمید کا لہجہ انتہائی سخت ہوگیا۔

بہرحال شمائل اتنی باہمت نہیں تھی کہ ان کا مقابلہ کرسکتی، اس نے ساری باتیں نادیہ کو بتائیں اور نادیہ کے اندر ایک عجیب سا احساس بیدار ہوگیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ چالاک اور زمانہ ساز تھی۔ جانتی تھی کہ کب کیا کرنا ہے اور اس کے لئے اس نے جو اقدامات کئے تھے، وہ اسے سب سے زیادہ مستحکم محسوس ہوئے تھے۔

شمائل کی باتوں کے جواب میں اس نے کہا۔ ''کہتے تو ڈیڈی ٹھیک ہیں شمائل، چلو ٹھیک ہے میں غور کروں گی، تم چاہو تو ان سے کہہ دینا کہ نادیہ کو تھوڑا سا موقع دیں۔''

شمائل خوش ہوگئی، معصوم سی لڑکی تھی، یوسف حمید سے اس نے یہی الفاظ کہے تھے اور اس کے ان الفاظ پر یوسف حمید کے چہرے پر اطمینان کی جھلکیاں نظر آئی تھیں لیکن نادیہ کا اطمینان رخصت ہوچکا تھا۔

باپ سے مقابلہ کرنا پڑ رہا تھا، یوسف حمید زمانے بھر کے شناسا ہر چیز سے واقف اور نادیہ ایک محدود سی عمل کی مالک لیکن جو کچھ ذہن میں آرہا تھا، کررہی تھی۔ ہر چیز سے محتاط رہنا چاہتی تھی اس لئے اس نے شمائل کو بھی وہ الفاظ کہہ کر مطمئن کردیا تھا، جبکہ خود اس کا اضطراب بہت زیادہ بڑھ گیا تھا۔ وہ ہر چیز سے محتاط رہنا چاہتی تھی۔ سب سے زیادہ ڈرائیور سے، جس کے بارے میں اسے مکمل طور پر یہ خدشہ تھا کہ وہ یوسف حمید کو سب کچھ بتادے گا، چنانچہ اس نے تھوڑی سی ذہانت سے کام لیا اور ایک دن ڈرائیور کو لے کر ایک ایسی اجنبی عمارت میں پہنچ گئی، جس کے بارے میں اسے کچھ نہیں معلوم تھا۔

''تم یہاں انتظار کرو، میری ایک دوست باہر سے آئی ہے میں اس سے ملوں گی، اگر چاہو تو کہیں گھوم پھر آؤ، ایک گھنٹے کے بعد آجانا۔''

''نہیں چھوٹی میم صاحب میں باہر آپ کا انتظار کررہا ہوں۔'' ڈرائیور نے جواب دیا اور نادیہ اندر داخل ہوگئی۔

یہ فلیٹوں کی ایک عمارت تھی اور اندر داخل ہونے کے بعد اس کا ایک عقبی دروازہ بھی تھا، چنانچہ نادیہ اس عقبی دروازے سے باہر نکل گئی۔ تھوڑا سا پیدل چلنے کے بعد اسے ٹیکسی مل گئی اور وہ ٹیکسی میں بیٹھ کر اس عمارت کی جانب چل پڑی، جہاں مسعود کا قیام تھا۔ وہ اپنے ساتھ بینک کے کاغذات لائی تھی۔ چیک بک اور دوسرے پیپر، وہ مسعود کے پاس پہنچ گئی۔ دروازے سے اندر داخل ہوئی تو مسعود اسے دیکھ کر ہنس پڑا۔ نادیہ بھی ہنسنے لگی پھر بولی۔ ''کیوں جناب بہت خوش نظر آرہے ہیں؟''

''جی جناب، ہیں کچھ خوشیاں، یار ایک بات بتاؤ، مجھے کیا ہوتا جارہا ہے۔''

''سمجھ رہی ہوں، کیا کہنا چاہتے ہو لیکن مجبوریاں بھی کوئی چیز ہوتی ہیں۔ اب ہم کیا کریں کہ ہمیں اپنے گھر کے خلاف کوئی کام کرنا پڑ رہا ہے، کاش ڈیڈی مان جائیں تو یہ سب کچھ نہ کرنا پڑے۔ دیکھو یہ بینک کے کاغذات ہیں اور اب تمہاری ایک ذمہ داری ہے، یہ پیسے رکھو۔''

''یار نادیہ......''

''دیکھو مسعود تم مجھے پریشان مت کیا کرو، ابھی ہم یہ سب کچھ کرنے پر مجبور ہیں، آگے چل کر صورت حال بہتر ہوجائے گی۔ یہ رقم رکھو، تم دو موبائل فون خرید لینا بازار سے۔ میں کل تمہارے پاس آؤں گی، ایک فون تمہارے پاس ہونا چاہئے اور ایک میرے پاس۔ اس فون کو میں خفیہ رکھوں گی، کیونکہ مجھے پتہ ہے کہ اس کے بعد میرے ساتھ کیا ہونے والا ہے، سمجھ رہے ہو نا تم، ہمارا رابطہ اسی خفیہ فون پر رہے گا، میں ڈیڈی کو سمجھانے کی کوشش کروں گی لیکن کچھ محتاط طریقوں سے، سمجھ رہے ہو نا تم، یار میری بات سنو، ہم بہت برا نہیں کررہے، اپنی زندگی کے ان راستوں کو مستحکم کرنا چاہتے ہیں جن پر چل کر ہم مستقبل کی منزل میں داخل ہوں گے اور مسعود میں اپنا یہ حق سمجھتی ہوں۔''

مسعود ایک گہری سانس لے کر خاموش ہوگیا۔ نادیہ واقعی بہت چالاک تھی۔ دوسرے دن اس نے اسی انداز میں پہلے اپنی دوست کے ہاں جانے کا تذکرہ کیا، وہاں سے ٹیکسی میں بیٹھ کر مسعود کے ہاں پہنچی۔ مسعود سے موبائل فون لیا، پھر ٹیکسی میں بیٹھ کر واپس اسی عمارت میں آگئی۔ ڈرائیور مطمئن تھا کہ وہ اپنی دوست کے ہاں آتی جاتی ہے، اس نے زیادہ تردد نہیں کیا تھا، وہ کام کرتی اور واپس آجاتی تھی۔ یونیورسٹی ایک طرح سے چھوڑ ہی دی تھی۔ اب جبکہ زندگی کی ڈگر بدل ہی گئی ہے تو پھر پرانے تمام راستے اس کے لئے بے مقصد ہوگئے تھے۔ پھر شمائل کے ذریعے اسے یوسف صاحب کا پیغام ملا۔

''ڈیڈی کہہ رہے ہیں کہ اجمل صاحب اپنی فیملی کے ساتھ تمہیں دیکھنے آنا چاہتے ہیں۔''

''مناسب نہیں ہوگا، کم از کم میں اپنے ڈیڈی سے اتنا انحراف نہیں کرسکتی شمائل کہ کسی دوسرے کے سامنے ان کی عزت داغدار کروں۔''

''میں سمجھی نہیں۔''

''میں خود ڈیڈی کو سمجھائے دیتی ہوں اب مجبوری ہے۔'' نادیہ نے کہا اور بڑی بے باکی سے یوسف حمید کے سامنے پہنچ گئی۔ وہ اس وقت زاہدہ بیگم سے اسی موضوع پر بات کررہے تھے۔

''آؤ نادیہ خیریت؟''

''خیریت نہیں ہے ڈیڈی، اتفاق سے آج میں آپ کے سامنے اس بے باکی کے لئے مجبور ہوں جو میں زندگی میں کبھی نہیں کرنا چاہتی تھی۔''

یوسف حمید کا چہرہ غصے سے سرخ ہوگیا۔

''دیکھئے ڈیڈی، بات اصل میں یہ ہے کہ ہم نئے زمانے کے لوگ ہیں، ہر چیز تبدیل ہوچکی ہے۔''

''بکواس بند کرو، تم نئے زمانے کے لوگ کمزور کہانیاں تو سنا سکتے ہو، کوئی ایسا مستحکم لائحہ عمل تمہارے پاس نہیں ہے، جس کے تحت تم زندگی کو خوبصورتی سے آگے بڑھا سکو۔''

''بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں آپ، لیکن ہم جدوجہد کی منزل میں ہیں ڈیڈی، میں نے سنا ہے کہ آپ آج اجمل صاحب کے خاندان کو بلانا چاہتے ہیں، میں چاہوں تو وہی فلمی ڈرامہ کرسکتی ہوں، یعنی اس فیملی کے سامنے کھل کر یہ بات کہہ دوں کہ میں یہ شادی نہیں کرسکتی کیونکہ میں کہیں اور شادی کرنا چاہتی ہوں۔ ڈیڈی دیکھئے، آپ میرے والد ہیں اگر آپ کو کسی دوسرے کے سامنے شرمندگی اٹھانی پڑے تو وہ اچھی بات نہیں ہوگی۔''

''بات اصل میں یہ ہے کہ میں نے کبھی تم پر ہاتھ نہیں اٹھایا اور شاید اب بھی نہ اٹھا سکوں، تم کہنا کیا چاہتی ہو؟''

''یہی کہ اجمل صاحب اور ان کی فیملی کو کبھی اس خیال سے گھر میں نہ بلائیں کہ میں ان کے سامنے ان کی ہونے والی بہو کی حیثیت سے پیش ہوں اور وہ میرے بارے میں فیصلہ کریں۔''

''انہیں فیصلہ کرنے کا کوئی حق نہیں، وہ تو فیصلہ کرکے ہی یہاں آئیں گے، بس تم سے ایک ملاقات کرنے کے لئے۔''

''نہیں ڈیڈی، آپ پلیز یہ سب کچھ نہ کریں، اگر آپ نے زبردستی ایسا کیا تو میں ان سے یہی کہوں گی کہ میں یہ شادی بالکل نہیں کرنا چاہتی کیونکہ میں کسی اور نوجوان کے ساتھ شادی کرنے کی خواہش مند ہوں۔''

''کیوں اس نوجوان کی زندگی کی دشمن بن رہی ہو تم۔''

''نہیں ڈیڈی، زندگی موت تو اللہ کے ہاتھ میں ہے، اور آپ اتنے بُرے بھی نہیں کہ کسی کو قتل کرادیں۔''

''نادیہ، کیا تم حد سے آگے نہیں بڑھ گئیں؟''

''جی ڈیڈی، افسوس تو یہی ہے کہ میں حد سے زیادہ آگے بڑھ گئی ہوں۔ براہ کرم غور کیجئے، مجھے ایک اچھے باپ کی طرح اپنے گھر سے رخصت کیجئے۔ زندگی بھر آپ کا احسان مانوں گی، اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ مسعود آپ کی دولت کی طرف دیکھ رہا ہے تو نہیں ڈیڈی یہ بات نہیں ہے۔ مجھے رخصت کرکے آپ مجھے ذرا سی بھی چیز نہ دیں، بس ہمیں دعائیں دے دیں، میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ اگر مسعود ذرا بھی لالچی نکلا، اس نے ایک نگاہ آپ کی دولت کی جانب دیکھا تو میں اس کے منہ پر تھوک کر کہیں اور چلی جاؤں گی۔ آپ کے پاس واپس نہیں آؤں گی شرمندگی کی وجہ سے۔ وہ لالچی نہیں ہے ڈیڈی، ایک بہت اچھا نوجوان ہے۔ بس یوں سمجھ لیجئے غریب ہے، ایسے حالات کا شکار ہے جس میں وہ اپنے لئے کچھ نہیں کرپایا لیکن اس کے اندر جدوجہد کا احساس ہے۔''

''نادیہ مجبوری ہے بیٹے، مجبوری ہے۔ آؤ میرے ساتھ آؤ۔'' یوسف صاحب اپنی جگہ سے اٹھ گئے۔ نادیہ کے کمرے میں پہنچے، شمائل اور زاہدہ بیگم بھی ساتھ تھیں، انہوں نے کہا۔ ''نادیہ بیٹے، آپ اس کمرے میں رہیں گی، یہاں آپ پر پہرہ رہے گا، آپ گھر سے باہر نہیں نکلیں گی، یوں سمجھئے کہ آپ یہاں قیدی ہیں، خودکشی کرنا چاہیں تو خودکشی کرسکتی ہیں۔ مجھے اعتراض نہیں ہے۔ یہ موبائل عنایت فرمائیں گی آپ مجھے۔''

یوسف حمید نے کہا اور جھپٹ کر نادیہ کا موبائل اٹھالیا۔ نادیہ خاموشی سے انہیں دیکھ رہی تھی، پھر انہوں نے کہا۔ ''آپ کے کمرے کی تلاشی لے کر ہر وہ چیز یہاں سے غائب کردی جائے گی جو آپ کی سرکشی میں آپ کا ساتھ دے سکے، بس یہ درخواست ہے آپ سے کہ کوئی ایسی جدوجہد نہ کریں جس سے آپ کو خود کوئی نقصان پہنچ جائے۔''

''آپ یہ زیادتی کرلیں گے میرے ساتھ ڈیڈی؟''

''مجبوری ہے بیٹے، مجبوری ہے۔''

''مجھے یقین نہیں آتا ڈیڈی۔''

''میں نے کہا نا مجبوری ہے۔'' اپنی دانست میں یوسف حمید نے سارے مستحکم اقدامات کرلئے، شمائل اور زاہدہ بیگم کو ہدایت کی گئی کہ کسی بھی طرح ان کے معاملات میں ٹانگ نہ اڑائیں اور کوئی ایسا کام نہ کریں جس سے اس گھر کا بیڑہ غرق ہوجائے، نادیہ کا کچھ عرصے تک اس کمرے میں رہنا ضروری ہے، اسے پوری ذمہ داری کے ساتھ کھانے پینے کی اشیاء فراہم کی جائیں، لیکن ان کی اجازت کے بغیر اسے دروازے سے باہر نکالنے کی کوشش نہ کی جائے، انہوں نے سختی سے کہا۔ ''اور اگر کسی نے یہ کوشش کی تو میں اسے صرف اور صرف اپنے دشمنوں میں شمار کروں گا۔''

نادیہ نے کوئی سخت جدوجہد نہیں کی تھی، کیونکہ وہ جانتی تھی کہ ایسا کوئی عمل یقینی طور پر ہوگا اور اسے ذہانت کے ساتھ ان سارے معاملات سے نمٹنا ہوگا۔ دوسرا موبائل فون جو مسعود نے خرید کر اسے دے دیا تھا نادیہ نے پہلے ہی پوشیدہ کردیا تھا، چنانچہ اس کارروائی کے بعد اس نے اپنے قید خانے کے ملحقہ باتھ روم میں جا کر سب سے پہلے مسعود کو یہ خوشخبری سنائی۔

''جناب عالی! والد صاحب بزرگوار نے مجھے قید کردیا ہے۔''

مسعود نے افسردگی کا اظہار کیا تھا اس نے کہا۔ ''نادیہ میں کیا کروں اس اطلاع پر؟''

''کچھ نہیں مسعود، ہمیں زندگی کے ان مراحل سے گزرنا تو تھا، وہی سب کچھ ہو رہا ہے جو میری توقع تھی، اب تم ایک کام کرو، بلا تکلف کسی بہت اچھے سے وکیل سے رابطہ قائم کرو اور اس سے یہ بات کرو کہ ہمیں کورٹ میرج کرنی ہے۔ اس کے لئے کیا کیا مدارج طے کرنے ہوں گے اور دیکھو مسعود، اگر تم نے حیل و حجت یا کسی کمزوری کا مظاہرہ کیا تو بہت معمولی سی بات تمہیں بتارہی ہوں۔ تم پر بھی بھروسہ نہ کرتے ہوئے میں بڑے سکون کے ساتھ خودکشی کرلوں گی۔ یہ میرا آخری فیصلہ ہے اور یہ بات تم جانتے ہو کہ میں اپنے فیصلوں سے ہٹتی نہیں ہوں۔ یہ سمجھ لو میرا خون تمہاری گردن پر ہوگا، میں نے جو کچھ کیا ہے اللہ کے بعد تمہارے بھروسے پر کیا ہے۔ مجھے انتہائی دکھ ہے کہ مجھے اپنے ڈیڈی کو یہ غم دینا پڑ رہا ہے لیکن کیا کروں انہوں نے بھی تو وہی روایتی کہانی چلا رکھی ہے، ذرا سا ہمدردی سے میرے بارے میں سوچتے۔ وہ دولت مند ہیں، ہم تو ان سے کچھ نہیں مانگ رہے، ہم ان سے اپنے لئے زندگی مانگ رہے ہیں۔ وہ ہمیں یہ زندگی بھی نہیں دے سکتے، یہ تو زیادتی ہے اور میں اس زیادتی کے خلاف ہی قدم اٹھا رہی ہوں۔ اب اللہ بہتر جانتا ہے کہ میرا قدم درست ہے یا غلط، میں اپنی پسند کی زندگی مانگ رہی ہوں، اس سے تو کوئی انکار نہیں کرسکتا، سن رہے ہو نا تم مسعود، میرا آخری فیصلہ ہے، جو کچھ میں کررہی ہوں مجھے اس میں تنہا نہ چھوڑو میرا ساتھ دو، جواب دو جو کچھ میں کہہ رہی ہوں وہ کرو گے؟''

''ٹھیک ہے، میں اپنا مزاج بدل لوں گا تمہارے لئے نادیہ...... صرف تمہارے لئے۔''

''اوکے، ہمیں یہ جدوجہد کرنی ہے مسعود، ہم اس منزل تک آنا نہیں چاہتے تھے، ہمیں تو یہاں تک پہنچایا گیا ہے، میں تم سے معلومات حاصل کروں گی، اب یہ تو تم خود بھی جانتے ہو کہ جب تک میں تمہیں خود فون نہ کروں تم مجھے فون نہیں کرو گے۔''

''ٹھیک ہے، کوئی سختی تو نہیں ہو رہی تمہارے ساتھ؟''

''بالکل نہیں یار میرا گھر ہے، مزے سے ہوں، بس یہ سب کچھ مجبوراً کرنا پڑ رہا ہے اور میں جانتی ہوں کہ آنے والے وقت میں سب ٹھیک ہوجائے گا۔'' نادیہ نے کہا اور فون بند کردیا۔ اس کے بعد اس نے وہ فون واپس اس کی جگہ چھپادیا تھا۔

☆......☆......☆

ادھر مسعود کو بہت کچھ سوچنا پڑا تھا، نادیہ اس کے لئے نہ جانے کیا کیا کچھ کررہی ہے، خود میں اس کے لئے کیا کرسکوں گا۔ وہ کہتی ہے کہ شاید میں یوسف حمید سے خوفزدہ ہوجاؤں۔ ''نہیں نادیہ ایسا نہیں ہے، آنے والے وقت میں تمہارے لئے سب کچھ کروں گا میں، تم مجھے اتنا ناکارہ نہیں پاؤ گی۔'' مسعود ایک عزم کے ساتھ باہر نکلا اور پھر اس نے نادیہ کی ہدایت کے مطابق تمام کارروائی شروع کردی۔ ایک بہت ہی قابل وکیل سے اس نے ملاقات کی، جس کا نام فراز صدیقی تھا۔ اس نے فراز صدیقی کو تفصیل بتائی تو فراز صدیقی کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیل گئے۔

''یہ یوسف حمید وہی ہیں 'نیو شائیلاک' والے۔''

''ہاں شاید ان کی ایک فرم کا نام یہی ہے۔'' مسعود نے کہا۔ اس نے کسی کی زبانی یہ نام سنا تھا۔

''میں خوشی سے یہ کیس لینے کے لئے تیار ہوں۔ وجہ میں آپ کو ضرور بتاؤں گا۔ مسعود صاحب، ان کی وجہ سے میں ایک اپنا کیس ہارا ہوں، جس میں وہ غلط تھے اور میرا کلائنٹ صحیح لیکن انہوں نے ایک جھوٹ کو سچ بنوادیا تھا۔''

''میں تفصیل آپ کو بتاچکا ہوں وکیل صاحب ورنہ میں اپنا کیس آپ کو نہ دیتا۔''

''کیوں؟''

''اس لئے کہ وہ نادیہ کے والد ہیں اور میں ان کا احترام کرتا ہوں۔''

''آپ شوق سے یہ کیس کسی اور وکیل کو دے دیں لیکن میں آپ کو ایک بات ضرور بتادوں، وہ یہ کہ آپ کم از کم چھ سال کے لئے جیل چلے جائیں گے اور کوئی آپ کو سزا سے نہیں بچا سکے گا۔''

''آخر کیوں؟''

''وہ شخص قانون کو جانتا ہے جس کا نام یوسف حمید ہے اور قانون میں بے شمار شقیں ایسی موجود ہیں جن کی بنیاد پر آپ کو سزا کرائی جاسکتی ہے، جناب مسعود سائل صاحب، آپ بہت زیادہ وفاداری کا مظاہرہ نہ کریں۔ میں بھی اتنا جذباتی نہیں ہوں کہ صرف آپ ہی کا ذریعہ تلاش کرکے اپنا کام کروں۔ کہیں اور سے سہی، کبھی نہ کبھی میرے ہاتھ کوئی ایسا کلیو ضرور آئے گا کہ میں یوسف حمید صاحب کو رگڑ سکوں۔ ضرورت آپ کی ہے، آپ زیادہ وفادار نہ بنیں تو آپ کے حق میں بہتر ہے۔''

وکیل صاحب کافی سخت گیر معلوم ہوتے تھے، کچھ لمحوں کے لئے تو مسعود خاموش ہوگیا لیکن پھر اس کے کانوں میں نادیہ کی آوازیں ابھرنے لگیں۔ ''جو کچھ میں کررہی ہوں مجھے اس میں تنہا نہ چھوڑو، میرا ساتھ دو، جو کچھ میں کہہ رہی ہوں وہ تمہیں کرنا ہے، خدا کے بعد اب میرے لئے تم ہی ایک سہارا رہ گئے ہو، میں نے جو کچھ کیا ہے اللہ کے بعد تمہارے بھروسے پر کیا ہے۔'' یہ الفاظ مسعود کو تڑپانے لگے، اس نے کہا۔ ''وکیل صاحب، آپ میرے جذبات کو سمجھئے، خدا کے لئے ناراض نہ ہوں میری بات سے، میں اس طرح کا انسان نہیں ہوں کہ کسی کے ساتھ زیادتی کرسکوں، بہرحال آپ کارروائی کیجئے، اللہ کا جو بھی فیصلہ ہوگا ہمیں منظور کرنا ہوگا۔''

فراز صدیقی غالباً یوسف حمید سے اس طرح برگشتہ تھے کہ انہوں نے اس سلسلے میں مسعود سے فیس وغیرہ کی بھی کوئی خاص بات نہیں کی اور مسعود کو کچھ ہدایات دینے لگے۔

☆......☆......☆

نادیہ، یوسف حمید کی قیدی بنی ہوئی تھی، ابتدا میں تو یوسف حمید نے بھرپور طریقے سے اسے نگاہوں میں رکھا۔ نادیہ انہیں جب بھی نظر آئی سکون سے اپنے بستر پر دراز نظر آئی۔ زاہدہ بیگم بہت دکھی تھیں اس سلسلے میں لیکن سب سے اہم کردار شمائل کا تھا۔ بہرحال، بہن کو چاہتی تھی، خود بھی آزاد خیال تھی، بے شک کوئی ایسی بات ابھی تک نہیں ہوئی تھی، جس کے لئے اسے باپ سے بغاوت کرنی پڑے، لیکن بہن کے سلسلے میں وہ کافی الجھی ہوئی تھی۔ موقع پا کر اس نے کھڑکی سے نادیہ سے بات کی۔

''نادیہ، کیا فیصلہ کیا ہے، کیا سوچا ہے؟''

''شمائل! پلیز میری مدد کرو، ڈیڈی سے مت کہنا اس بارے میں؟''

''نہیں کہوں گی، وعدہ کرتی ہوں، مجھے تمہاری قید ناپسند ہے۔''

''شمائل مجھے ہر قیمت پر مسعود سے شادی کرنی ہے، ڈیڈی مجبور کررہے ہیں کہ میں کورٹ میرج کرلوں۔''

''بولو کیا چاہتی ہو، میں اس سلسلے میں کوئی مدد کروں؟''

''ضرورت پڑنے پر تمہیں مجھے یہاں سے نکالنا ہوگا۔''

''ٹھیک ہے مطمئن رہو، جب ضرورت ہو مجھے بتادینا۔'' شمائل نے بڑی ہمت سے کہا اور نادیہ کا دل بڑا ہوگیا۔ زاہدہ بیگم تو واقعی اس کی کوئی مدد نہیں کرسکتی تھیں، لیکن شمائل سے اسے بھرپور امید تھی۔

☆......☆......☆

فراز صدیقی صاحب بہت تیزی سے سارے کام کررہے تھے، انہوں نے تمام تیاریاں مکمل کیں۔ مجسٹریٹ صاحب سے گفتگو کی اور انہیں بتایا کہ ایک لڑکی ان کے روبرو بیان دینا چاہتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے دوسری کارروائیاں بھی کیں۔ اسپتال کے سول سرجن سے نادیہ کا بلوغیت کا سرٹیفکیٹ بھی حاصل کرنا تھا، چنانچہ انہوں نے مسعود کو گرین سگنل دیا اور مسعود نے موبائل فون پر نادیہ سے رابطہ قائم کیا، پھر اس وقت جب یوسف حمید ناشتے کے کمرے میں موجود تھے، زاہدہ بیگم ان کے سامنے خاموش بیٹھی ہوئی تھیں اور وہ زاہدہ بیگم کو بتا رہے تھے کہ اجمل سے رابطہ قائم ہوا ہے اور انہوں نے بڑے محتاط طریقے سے ان سے بات کی ہے، چنانچہ بہت جلد اجمل کو تیار کرلیا جائے گا، نادیہ کی شادی اس وقت سب سے اہم مسئلہ ہے، لیکن دوسری طرف نادیہ نے شمائل سے رابطہ قائم کیا تھا اور شمائل نے موقع پاتے ہی دروازہ کھول دیا تھا۔

وہ نادیہ کو کوٹھی کے پچھلے حصے سے باہر نکال کر اپنے کمرے میں آئی اور پھر تیار ہوکر سیدھی ناشتے کے کمرے میں پہنچ گئی جہاں اس کا انتظار کیا جارہا تھا۔ کام اس قدر برق رفتاری سے ہوا تھا کہ کوئی اس پر شبہ نہ کرسکے، البتہ ناشتہ کرتے ہوئے اس کے ہاتھ لرز رہے تھے۔

یوسف حمید نے اس سے کہا۔ ''شمائل بیٹے، میں چاہتا ہوں کہ تم میری مدد کرو، میں نادیہ کی شادی کردینا چاہتا ہوں، یہ تو تم نے دیکھ ہی لیا ہوگا کہ اس کی سرکشی سے پریشان ہوکر میں نے اسے اس کے کمرے میں بند کردیا ہے۔''

''ڈیڈی مجھے ایک بات بتائیں، آپ نے اسے کمرے میں بند کردیا ہے، اگر وہ شادی کے وقت اس بات سے انکار کردے تو آپ مجھے بتائیے کونسا قانون اسے اس بات سے روکے گا؟''

''شمائل بیٹے آپ بھی اس طرح کی بات کررہی ہو، کیا میرا حق نہیں ہے کہ میں تم لوگوں کو اپنی پسند کے گھرانوں کے حوالے کروں۔''

''ڈیڈی، آپ جس طرح مناسب سمجھیں کریں۔''

یوسف حمید ان دنوں خاصے پریشان نظر آتے تھے اور عام طور سے ہاشم انہیں دزدیدہ نگاہوں سے دیکھا رہتا تھا۔ بہرحال گھر کا ایک فرد تھا بہت سے معاملات اس کے علم میں رہتے تھے، ابھی تک اس نے اس معاملے میں کوئی مداخلت نہیں کی تھی، اب بھی خاموش ہی تھا، ماں تک سے اس سلسلے میں بات نہیں کی تھی، غرضیکہ ناشتے سے فراغت حاصل ہوئی تھی کہ ایک خاص ملازم نے نادیہ کے دروازے کے کھلا ہونے کی اطلاع دی اور یوسف حمید دھک سے رہ گئے۔ انہوں نے فوراً ہی ناشتے کی میز چھوڑ دی تھی اور دوڑ کر دروازے تک پہنچے تھے۔

''صرف اتنا پتہ چلنا چاہئے کہ دروازہ کس نے کھولا، یہ لوگ مجھے مجبور کررہے ہیں کہ میں خون خرابہ شروع کردوں۔''

اس وقت ہاشم نے مداخلت کی۔ ''ماموں جان یہ تو بعد میں پتہ چل جائے گا کہ دروازہ کس نے کھولا، باہر نکل کر یہ دیکھئے کہ وہ کہاں گئی؟''

''آؤ میرے ساتھ۔'' یوسف صاحب کو اس وقت بھانجے کا سہارا بہت غنیمت محسوس ہوا۔

ڈرائیور مسعود کے گھر کا پتہ جانتا تھا، یوسف حمید، ہاشم کو لے کر سیدھے ادھر چل پڑے اور سب سے پہلے انہوں نے مسعود کے گھر پر چھاپہ مارا لیکن گھر کا دروازہ بند تھا۔ انہوں نے پڑوسیوں سے معلومات کیں تو پتہ چلا کہ مسعود تو کافی دن پہلے یہ گھر چھوڑ کر جاچکا ہے۔

ہاشم نے کہا۔ ''لازمی بات ہے کہ سارے کام منصوبے کے تحت ہوئے ہیں۔''

''اب کیا کریں؟''

''سیدھی سیدھی پولیس میں رپورٹ درج کرائیے، مسعود کا نام درج کیجئے گا۔''

''اس سے بڑی بیوقوفی کی بات تم اور کیا کرسکتے ہو، گھر چلو۔'' یوسف صاحب نے نفرت بھرے لہجے میں کہا۔ انہیں یہ بات بہت ہتک محسوس ہوئی تھی کہ وہ پولیس کو اپنی بیٹی کے فرار کے بارے میں اطلاع دیں، ہاشم کو خود بھی احساس ہوگیا تھا کہ اس نے غلطی کی ہے لیکن اس وقت معذرت کرنا بھی حماقت ہی کے مترادف تھا۔ انہوں نے ہاشم کو گھر پر چھوڑا اور خود کسی نامعلوم مقام کی جانب چل پڑے۔

☆......☆......☆

فراز صدیقی نے سارے کام مکمل کرلئے تھے، سول سرجن سے نادیہ کی بلوغیت کا سرٹیفکیٹ حاصل کرنے میں دس منٹ سے زیادہ نہیں لگے اور اس کے بعد انہوں نے اس سرٹیفکیٹ کے ساتھ نادیہ کو جج کے سامنے پیش کردیا۔ جج صاحب نے نادیہ کا بیان دیکھا اور پھر اسے اپنی مرضی سے زندگی گزارنے کی اجازت دے دی۔ فراز صدیقی نے سارے کام مکمل کرلئے تھے، چنانچہ ایک مستند قاضی کے گھر جا کر نادیہ کا نکاح مسعود احمد سے پڑھا دیا گیا اور یہ سارے کام منٹوں میں طے ہوگئے۔

مسعود نے نادیہ کو دیکھ کر محبت بھری آواز میں کہا۔ ''نادیہ یہاں تک پہنچ گئے ہیں، اب آگے اللہ تعالیٰ کے حکم کا انتظار کرنا ہے۔''

''اب مجھے کرنا کیا ہے مسعود یہ بتاؤ؟''

''بڑے آرام سے اپنے گھر جائیے مسز مسعود سائل اور آرام سے وقت گزاریئے انتظار کیجئے کہ بات مناسب طریقے سے بنے، ہم آپ کے ساتھ ہیں، پریشانی کی بالکل گنجائش نہیں ہے۔''

نادیہ چند لمحات سوچتی رہی پھر مسکرا کر بولی۔ ''مسعود ابھی تو میں اپنے گھر جا کر ڈرامہ کروں گی، خدا کرے وہ ہوجائے جو میں چاہتی ہوں۔''

نادیہ کو ایک مخصوص جگہ چھوڑ دیا گیا اور پھر وہاں سے وہ اسی عقبی راستے سے کوٹھی میں داخل ہوگئی۔

کوٹھی میں مکمل سناٹا طاری تھا۔ ابھی چند منٹ پہلے یوسف حمید کہیں سے واپس آئے تھے، وہ کیا کرتے پھر رہے تھے، اس بارے میں انہوں نے کسی کو نہیں بتایا، البتہ واپس آکر اپنے کمرے میں ایک کرسی پر بیٹھ گئے۔ ان کا چہرہ دھواں دھواں ہو رہا تھا لیکن پھر ایک ملازمہ دوڑی دوڑی ان کے پاس پہنچی۔

''صاب جی، صاب جی نادیہ بی بی تو اپنے کمرے میں ہیں۔''

''کیا؟'' یوسف حمید کے حلق سے ایک دہاڑ سی نکلی اور وہ اچھل کر کھڑے ہوگئے۔ ''کیا بکواس کررہی ہے؟''

''مولا قسم صاب جی، ابھی میں ادھر سے گزر کر آئی ہوں، وہ اپنے کمرے میں ہیں اور آرام سے ایک کرسی پر بیٹھی کتاب پڑھ رہی ہیں۔''

یوسف صاحب تیزی سے اس کمرے کی جانب دوڑے، جہاں نادیہ قید تھی۔ انہوں نے دیکھا کہ دروازہ کھلا ہوا ہے اور نادیہ واقعی اندر موجود ہے، وہ زور سے دروازے کو دھکا دے کر اندر داخل ہوئے تھے اور نادیہ کے ہاتھ سے کتاب گر گئی تھی، اس نے حیرانی کی اداکاری کرتے ہوئے یوسف صاحب کو دیکھا اور بولی۔ ''کک...... کیا ہوگیا ڈیڈی، خ...... خیریت......''

یوسف حمید کمر پر دونوں ہاتھ رکھے اسے گھور رہے تھے، پھر انہوں نے سانپ کی طرح پھنکارتے ہوئے کہا۔ ''کہاں گئی تھیں تم؟''

''اوپر چھت پر تھی، آپ کو اندازہ ہے کہ آپ نے مجھے کس طرح قیدی بنا رکھا ہے، کیا اتنا وقت چلے پھرے بغیر گزارا جاسکتا ہے، مجھے اپنا بدن فالج زدہ محسوس ہونے لگا تھا۔''

''دروازہ کیسے کھلا؟''

''چھوڑیئے ڈیڈی کہاں کی باتیں کررہے ہیں، میں نے آپ سے کہا تھا نا کہ ہم نئے دور کے لوگ ہیں، ضرورت ایجاد کی ماں ہوتی ہے، ہم نے بہت کچھ سیکھ لیا ہے دنیا میں جینے کے لئے۔''

''مجھے صرف ایک بات بتاؤ، وہ کون نمک حرام ہے جس نے دروازہ کھولا؟''

''ڈیڈی، فرض کیجئے اگر کوئی ایسا نمک حرام ہے بھی تو کیا میں اس کا نام بتاؤں گی آپ کو؟''

''یہاں موجود ملازموں کو الٹے لٹکوا کر کھال اتروادوں گا میں، زبان کھلوالوں گا ان کی، تم کیا سمجھتی ہو، میں کہتا ہوں دروازہ کس نے کھولا؟''

''مجھ سے پوچھ لیں، پہلے میری کھال اتاریئے۔'' نادیہ نے کہا اور ہنس پڑی۔

''نادیہ بڑا مایوس کررہی ہو مجھے۔ یہ احساس دلا رہی ہو کہ والدین بلاوجہ اولاد کے لئے دکھی ہوتے ہیں، کون جانے کون بڑا ہو کر ان کے ساتھ کیا سلوک کرے، کہاں گئی تھیں بتانا پسند کروگی؟''

''چھت پر ڈیڈی چھت پر، چھت سے آئی ہوں نیچے آپ کسی سے پوچھ لیجئے۔''

''دروازہ کیسے کھلا؟''

''ٹیکنیک ڈیڈی ٹیکنیک۔ اب وہ کیا ٹیکنیک ہے آپ خود معلوم کرلیجئے، جائیے دروازہ باہر سے بند کردیجئے۔ اس کے بعد میں دوبارہ کھول کر باہر نکل جاؤں گی۔''

یوسف حمید زچ ہوگئے تھے، کچھ لمحے کھڑے رہے اور اس کے بعد خاموشی سے باہر نکل گئے، نادیہ غم آلود نگاہوں سے انہیں دیکھتی رہی تھی، پھر اس نے کہا۔ ''ڈیڈی! آپ کو بھی یہ نہیں کرنا چاہئے تھا، میں تو ہوں ہی بدنصیب کہ آپ کو دکھ دے رہی ہوں۔''

یوسف حمید نے ایک اور نادانی کی۔ اجمل صاحب بیشک اتفاقیہ طور پر ہی ملے تھے اور انہوں نے کہا تھا۔ ''بیگم کئی بار آپ کے گھر آنے کے لئے کہہ چکی ہیں۔ میں نے ان سے یہی کہا ہے کہ بس یوسف صاحب سے گرین سگنل ملنے کا انتظار ہے۔''

''ایسی کوئی بات نہیں ہے، جب آپ کا دل چاہے تشریف لائیے۔'' یہ جملے اخلاقاً کہے گئے تھے لیکن دو دن کے بعد ہی اجمل کا فون موصول ہوا کہ وہ شام چائے پر آرہے ہیں۔

یوسف نے زاہدہ بیگم سے بات کی۔ ''اس نافرمان سے تو میں بات بھی نہیں کرنا چاہتا لیکن باجی آپ سے بڑی امیدیں وابستہ ہیں۔ میری عزت داؤ پر لگ گئی ہے۔''

''ان حالات میں یوسف...... جبکہ تم نے اسے قیدی بنا رکھا ہے۔ لازمی بات ہے کہ اس کے ذہن میں بغاوت ہوگی۔ کیا وہ ہم سے تعاون کرے گی۔''

''اسے قیدی کہہ کر شرمندگی ہوتی ہے باجی۔ ارے وہ آرام سے باہر نکل جاتی ہے۔''

''بتاؤ کیا کروں؟'' زاہدہ بیگم نے پوچھا۔

''اس سے کہئے اجمل کے سامنے میری لاج رکھ لے۔''

''میں کوشش کروں گی۔'' زاہدہ بیگم نے کہا اور پھر انہوں نے نادیہ سے بات کی۔

نادیہ نے آنسو بھری آواز میں کہا۔ ''ڈیڈی نادانیاں نہیں کررہے ہیں پھوپھی جان۔ کاش وہ حقیقت آشنا ہوجائیں۔ خیر اجمل صاحب باہر کے آدمی ہیں۔ میں یہاں ڈیڈی سے تعاون کروں گی۔''

☆......☆......☆

اجمل صاحب فیملی کے ساتھ آگئے۔ صغیر احمد بھی ساتھ تھا۔ نادیہ کی شمائل سے بھی بات ہوئی، پوری تفصیل تو شمائل کو بھی معلوم نہیں لیکن نادیہ نے اس سے اتنا ضرور کہا تھا کہ شمائل زندگی بہت بڑا امتحان لے رہی ہے۔ کاش کچھ بہتر ہوجائے۔ اجمل صاحب کے سامنے نادیہ بالکل نارمل رہی۔ مسز اجمل نے پوچھا۔ ''آگے پڑھنے کو تو دل نہیں چاہتا۔''

''نہیں آنٹی۔''

''میں تنہائی میں آپ سے کچھ بات کرنا چاہتا ہوں۔'' صغیر احمد نے فرمائش کی۔

''ایسا میں مناسب نہیں سمجھتی۔'' نادیہ نے پروقار لہجے میں کہا اور صغیر سر کھجا کر رہ گئے۔ یوسف صاحب کی کچھ کہنے کی ہمت نہیں ہوئی تھی۔ لیکن نادیہ کے دوٹوک جواب کو سب نے محسوس کیا تھا۔

اس رات نادیہ نے شمائل سے کہا۔ ''یہ نہ سمجھنا شمائل کہ میں تجھ پر بھروسہ نہیں کرتی۔ تیرے علاوہ میرا راز دار اور کون ہے یہاں اور یہ بھی مت سمجھنا کہ تجھے پہلے سے سب کچھ نہیں بتایا میں نے۔''

''کیا بات ہے باجی۔'' شمائل نے سہمے ہوئے لہجے میں کہا۔

(جاری ہے)

شائل کی سہمی سہمی آنکھیں نادیہ کا جائزہ لے رہی تھیں، نادیہ نے سرسراتی ہوئی آواز میں کہا۔ ''میں نے شادی کرلی ہے شائل۔''

شائل کوئی ایسی ہی خوفناک بات سننے کے لئے تیار تھی۔ اس کے منہ سے کوئی آواز نہ نکلی۔ پتھرائی ہوئی نگاہوں سے وہ نادیہ کی صورت دیکھتی رہی۔ غالباً ذہن میں ان الفاظ کا مفہوم بٹھانے کی کوشش کر رہی تھی جو نادیہ نے کہے تھے اور جب یہ مفہوم اس کی سمجھ میں آیا تو اس کا چہرہ ہلدی کی طرح زرد ہوگیا۔

ایم اے راحت

قسط : 3

''نادیہ پھر سے کہو کیا کہا ہے تم نے؟''

''ہاں، ڈرامے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے پہلے ہی بتا دیا تھا سب کو کہ مجھے مسعود سے شادی کرنی ہے لیکن نہیں مانا کوئی، سچ بتا رہی ہوں، اپنے آپ کو سنبھال اور غور سے میری بات سن، میں نے مسعود سے شادی کرلی ہے۔''

''کب...... کیسے باجی؟'' شائل کی سہمی ہوئی آواز ابھری۔

''اسی دن جب میں نے تجھ سے کہا تھا کہ دروازہ کھول دے، میں مسعود سے شادی کرنے ہی گئی تھی۔''

''کورٹ میرج۔''

''ہاں یہ سمجھ لے کورٹ میرج ہی ہے۔ طریقہ کار ذرا سا مختلف ہے لیکن سب کچھ مکمل ہے۔''

''اب کیا ہوگا باجی؟''

''بس میں نہیں چاہتی تھی کہ بات گھر سے باہر نکلے لیکن ڈیڈی نے اسے اجمل صاحب تک پہنچا دیا میں کیا کرسکتی ہوں بتا؟''

''باجی کوئی حادثہ نہ ہوجائے گھر میں۔''

''حادثہ تو ہوچکا ہے، اصل میں مجھے صرف اس بات سے اختلاف ہے کہ ڈیڈی نے اس مسئلے میں اتنی شدید مخالفت کیوں کی، بچوں کے لئے انسان سب کچھ کرتا ہے، صرف اپنی انا تو قائم نہیں رکھی جاتی۔''

☆......☆......☆

یوسف حمید اپنی چھوٹی سی دنیا میں محدود تھے، گھر میں چند ہی افراد تھے جوان کے شریک راز تھے اور ان کے ہر مشکل وقت میں ان کا ساتھ دیتے تھے۔ ہاشم بہن کا بیٹا تھا اور اس بہن کا بیٹا تھا جس نے انہیں ماں بن کر پالا تھا لیکن ہاشم کی فطرت کا انہیں اچھی طرح اندازہ تھا۔ اس لئے ہاشم تو ان کے لئے قابل اعتناء نہیں تھا لیکن انہوں نے زاہدہ بیگم اور شائل کو مشیر بنا کر سوال کیا۔

''تم لوگوں نے صغیر احمد کو بھی دیکھا ہے، میرا خیال ہے بات بہت جلد آگے بڑھے گی، ہمیں کیا کرنا چاہئے؟'' زاہدہ بیگم سے ہٹ کر اب ان کی نگاہیں شائل پر پڑیں تو وہ چونک پڑے۔ ''تمہیں کیا ہو رہا ہے شائل...... کچھ عجیب سی کیفیت محسوس کر رہا ہوں میں تمہاری؟''

''نن...... نہیں تو، کک...... کوئی بات نہیں ہے۔''

''بات تو ہے کوئی شائل۔ اگر تم مجھے بتانا پسند کرو تو، زاہدہ باجی، ذرا آپ دیکھ کر آئیں نادیہ کو، اسے قید کرنا تو بالکل بیکار ہی رہا، نہ جانے کس طرح نکل آتی ہے۔ دروازے کے لاک وغیرہ بھی میں نے چیک کرلئے ہیں۔''

''ڈیڈی اس طرح کسی کو قید کرنے سے کیا جذبات اور احساسات بھی قید ہوجاتے ہیں۔'' شائل نے سوال کیا۔

یوسف حمید غصے سے اسے گھورنے لگے۔ ''اصل میں بیٹے وقت اتنا ہی برا آگیا ہے کہ بچے بقراط بن گئے ہیں اور بزرگ بیوقوف بن کر رہ گئے ہیں۔ بات صرف اتنی سی ہے بیٹا کہ چلو میں کوئی جذباتی بات نہیں کرتا، میں صرف یہ سوال کرتا ہوں کہ کچھ چیزیں تمہیں جینے کے لئے درکار ہوتی ہیں اور کچھ ان کو جو تمہارے والدین ہیں، تم سے پیار کرتے ہیں اور تمہارے لئے سب کچھ کرنا چاہتے ہیں لیکن اگر تم انہیں ذلیل و خوار کرو تو کیا تمہیں یہ روا ہے، کیا اصولی طور پر انہیں تمہارے سامنے جھک جانا چاہئے۔''

شائل نے خاموشی سے گردن جھکالی، یوسف حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ ''بہرحال، دیکھیں گے کیا صورتحال رہتی ہے لیکن نادیہ کو ایک بات ضرور بتا دینا کہ جو کچھ وہ چاہتی ہے وہ ممکن نہیں ہے اور بہتر ہے کہ وہ اپنی زندگی کے لئے کوئی ایسا مشکل وقت نہ لائے جس کے بعد اسے پچھتانا پڑے۔'' یہ کہہ کر یوسف حمید کمرے سے باہر نکل گئے تھے۔

☆......☆......☆

صغیر احمد جو بلاشک وشبہ بہت دولت مند باپ کا بیٹا تھا، ایسا کہ جس طرف نگاہ اٹھا دیتا نگاہیں اس کے سامنے بچھ جاتیں۔ فطرتاً بہت اچھا تھا اور اس کے نام کے ساتھ کبھی کوئی ایسی برائی وابستہ نہیں ہوئی تھی جس پر کسی کو شرمندہ ہونا پڑے۔

یوسف حمید کے گھر سے واپس جا کر وہ نادیہ کے بارے میں بہت کچھ سوچتا رہا تھا۔

اجمل صاحب کی اہلیہ نے اس سے پوچھا۔ ''ہاں بیٹے۔ دیکھا تم نے حمید صاحب کو، میرا مطلب ہے ان کی بیٹی نادیہ کو، کیا رائے ہے تمہاری اس لڑکی کے بارے میں، اصل میں وہ مجھ سے پوچھ رہے تھے کہ بیٹے کی رائے معلوم کرتا کہ آگے کے بارے میں کچھ سوچا جاسکے۔''

''امی آپ کی کیا رائے ہے اس کے بارے میں، آپ بتائیے۔'' صغیر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''لوگ بہت اچھے ہیں، ہمارے ہم پلہ ہیں، لڑکی بھی بہت خوبصورت ہے لیکن بس مجھے تھوڑا عجیب عجیب لگا۔''

''وہ کیا امی؟'' صغیر نے پوچھا۔

''ضرورت سے زیادہ اپنے آپ میں مگن ہے، میرا مطلب ہے کہ اس وقت کی بات کر رہی ہوں، جب تم نے اسے تنہائی میں بات کرنے کے لئے کہا تھا۔ اور اس نے انتہائی رکھائی سے انکار کر دیا تھا۔ مجھے اس وقت توہین سی محسوس ہوئی تھی۔ مجھے یہ اچھا نہیں لگا، اسے فوراً تمہاری بات مانی چاہئے تھی۔''

صغیر احمد کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ بولا ''امی اس کی یہی خوبی مجھے بھا گئی ہے۔ آپ کو بہت زیادہ ماڈرن لڑکیاں پسند ہیں لیکن میری پسند ذرا مختلف ہے، اگر وہ فوراً اٹھ کر میرے ساتھ چل دیتی تو یقین کریں ایک عام سی لڑکی ہوتی۔ اس نے جس رکھائی کے ساتھ میری پیشکش مسترد کردی، وہی میری پسند کا باعث بن گئی ہے۔ مجھ سے کچھ اور پوچھنا چاہتی ہیں تو بتائیے۔''

''نہیں بیٹے، ظاہر ہے تمہارے ابو نے اپنے دوست کی بیٹی کو پسند کیا ہے۔ بہت سارے معاملات ایسے ہوتے ہیں جن میں ہم، ہر طرح سے تعاون کرتے ہیں، چلو ٹھیک ہے، یعنی تمہاری طرف سے ہاں ہے۔''

''جی امی۔'' صغیر احمد نے جواب دیا اور بیگم اجمل نے مسکرا کر اپنے بیٹے کی بلائیں لیں اور پھر اپنے کمرے سے باہر نکل گئیں۔ صغیر احمد ان لمحات میں کھو گیا تھا جو یوسف حمید کے گھر گزرے تھے۔

☆......☆......☆

نادیہ خاموشی سے گھر میں وقت گزار رہی تھی، قید تو ختم ہوگئی تھی اس کی لیکن گھر کی فضا بہت عجیب ہوگئی تھی۔ اجمل کے جانے کے بعد یوسف حمید نے تھوڑا سا رویہ نرم بھی کیا تھا اور زاہدہ بیگم سے کہا تھا۔

''میں بھی ان ساری باتوں کو حماقت سمجھتا ہوں، میں نے اس وقت بے شک غصے میں اسے بند کردیا تھا لیکن اس نے میری آنکھیں کھول دیں۔ آپ یقین کریں میں آج بھی اس بات پر حیران ہوں کہ دروازہ کیسے کھل گیا، مگر کس کا نام لوں، خیر چھوڑیئے ان باتوں کو۔ اب میں چاہتا ہوں کہ آپ اس سے ذرا معلومات حاصل کریں۔''

زاہدہ بیگم ٹھنڈی سانسیں لینے لگیں۔ بھلا کس طرح معلومات حاصل کرتیں، جو کچھ ہو رہا تھا اور جس انداز میں ہو رہا تھا وہ بہت غلط تھا۔ اس کے باوجود یوسف حمید اس خوش فہمی کا شکار رہتے کہ وہ نادیہ کو اجمل کے بیٹے سے شادی کرنے پر تیار کرلیں گے، بہرحال زاہدہ بیگم کوئی فیصلہ نہیں کر پا رہی تھیں۔

اسی دن دوپہر کو یوسف حمید کو ان کے دفتر میں ایک فون موصول ہوا۔

''جی کون صاحب؟''

میرا نام فراز صدیقی ہے، یقیناً آپ مجھے نہیں بھولے ہوں گے، ایک کیس میں میری آپ سے ملاقات ہوئی تھی۔''

''آپ مشہور آدمی ہیں فراز صدیقی صاحب فرمایئے کیسے زحمت کی؟''

''آپ سے ملنا چاہتا ہوں۔''

''کیا کسی پرانے کیس کے سلسلے میں؟''

''جی نہیں کیس بالکل نیا ہے۔'' فراز صدیقی نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

''بتایئے کیا بات ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ میں بلاوجہ کسی کو وقت نہیں دیتا۔''

''میں آپ سے بلاوجہ وقت نہیں مانگ رہا یوسف حمید صاحب بلکہ ایک ایسی وجہ ہے کہ اگر آپ نے اس سے گریز کیا تو یقیناً آپ کو پچھتاوا ہوگا۔''

''میرا خیال ہے آپ ایک بردبار آدمی ہیں اور جس پیشے سے آپ کا تعلق ہے وہ بھی پروقار پیشہ ہے، آپ ہلکی بات کر رہے ہیں لیکن خیر ہر شخص کا اپنا ایک مزاج ہوتا ہے۔ آپ سات بجے میری کوٹھی پر آجایئے، میں لان پر آپ کا انتظار کروں گا۔''

''ویری گڈ، کھلی فضا اس قسم کی گفتگو کے لئے بہت اچھی ہوتی ہے، میں سات بجے پہنچ جاؤں گا۔'' فراز صدیقی نے کہا اور یوسف حمید نے فون بند کردیا لیکن نہ جانے کیوں ایک عجیب سی خلش ان کے ذہن میں سر ابھارنے لگی تھی۔ کیا کہنا چاہتا ہے یہ شخص۔ انداز بہت عجیب سا ہے۔ وہ ادھر ادھر کی بہت سی باتوں پر نگاہیں دوڑانے لگے لیکن کوئی ایسی بات ان کے ذہن میں نہیں آئی جس کی وجہ سے فراز صدیقی نے انہیں فون کیا ہو۔

مقررہ وقت پر فراز صدیقی کی کار یوسف حمید کی کوٹھی میں داخل ہوگئی۔ یوسف حمید لان میں بیٹھے ہوئے اس کا انتظار کر رہے تھے، فراز صدیقی کار سے اتر کر ان کی جانب بڑھ گیا۔ یوسف حمید نے بیٹھے ہی بیٹھے اس کے سلام کے جواب میں گردن ہلائی تھی۔ وہ بھرپور رعونت کا مظاہرہ کر رہے تھے۔

بالکل اتفاق کی بات تھی کہ اسی وقت ہاشم کسی طرف سے نمودار ہوا تھا۔ فراز صدیقی کو وہ بھی جانتا تھا اس نے ادھر ادھر دیکھا اور مہندی کی ایک باڑھ کی آڑ لیتا ہوا ایک چوڑے درخت کے پاس پہنچ گیا جس کے تنے کے قریب یہ کرسیاں پڑی ہوئی تھیں۔ ہاشم اس درخت کی اوٹ میں ہو کر ان دونوں کی گفتگو سننے لگا۔

''بیٹھ سکتا ہوں آپ کی اجازت سے؟''

''سوری...... بیٹھئے...... میں اس خیال میں الجھا ہوا تھا کہ آپ کون سی دور کی کوڑی نکال کر لائے ہیں، فرمایئے۔''

''جی بہت شکریہ۔'' فراز صدیقی نے بیٹھتے ہوئے کہا، پھر ادھر ادھر دیکھتے ہوئے بولا۔ ''موسم بہت خوشگوار ہے لیکن کتنے افسوس کی بات ہے کہ میں آپ کو ایک دکھ دینے والی بات سنانے والا ہوں۔''

''فراز صدیقی صاحب، یہ کمرۂ عدالت نہیں ہے کہ آپ یہاں بازی گری کا مظاہرہ کریں، جس کام سے آئے ہیں وہ کام بتائیں۔''

''جی یہ ایک فوٹو کاپی ہے اس پر ایک نگاہ ڈالئے۔'' فراز صدیقی نے اپنے ساتھ لائی ہوئی فائل سے نکاح نامے کی کاپی نکال کر یوسف حمید کے سامنے کی اور یوسف حمید نے رعونت بھری نگاہوں سے اس کاغذ کو دیکھا لیکن نکاح نامے کا لفظ دیکھ کر وہ ایک دم سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور پھر انہوں نے اس نکاح نامے کو پڑھ ڈالا جس کی رو سے نادیہ اور مسعود سائل شوہر اور بیوی بن چکے تھے۔ انہوں نے گزری ہوئی تاریخ پر بھی نگاہ ڈالی اور غصے سے آگ بگولا ہوگئے۔

''یہ...... یہ کیا بدتمیزی ہے، یہ کیا بکواس ہے؟''

''دوسرا کاغذ جناب۔ یہ محترمہ نادیہ بیگم کے بالغ ہونے کا سرٹیفکیٹ ہے اور یہ عدالت سے مرضی سے زندگی گزارنے کا اجازت نامہ، ان تینوں کاغذات کی موجودگی اس بات کا ثبوت ہے کہ آپ کی صاحب زادی نادیہ بیگم نے اپنی مرضی سے مسعود سائل سے شادی کی ہے۔''

''فراز صدیقی صاحب، یہ کارروائی آپ کی معرفت ہوئی ہے؟''

''جی بالکل، یہ ساری کارروائی میرے ہی ذریعے ہوئی ہے اور میرے کلائنٹ مسعود سائل نے مجھے اس کی باقاعدہ فیس ادا کی ہے۔''

''آپ صاحب اولاد ہیں؟''

''اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے۔''

''آپ کی بیٹی اگر یہ قدم اٹھاتی تو کیا آپ اس کی اتنی ہی معاونت کرتے۔ اگر وہ کسی اور وکیل سے رجوع کر کے یہ سب کچھ کرلیتی تو آپ پر کیا اثرات مرتب ہوتے۔''

فراز صدیقی نے برا مانے بغیر کہا۔ ''دیکھئے اصل میں بات یہ ہے کہ ہم اپنے آپ کو پڑھا لکھا کہتے ہیں سب سے بڑی غلطی یہی کرتے ہیں ہم تعلیم حاصل کرنے کے بعد مذہب کی بنیادی تعلیمات پر غور نہیں کرتے۔ اسلام سو فیصد اجازت دیتا ہے کہ ایک بالغہ اپنے مستقبل کا فیصلہ خود کرسکتی ہے۔ یہ دور وہ نہیں رہا جب آپ اپنی اولاد کے مالک ہوا کرتے تھے۔ ہر ذی روح کو اپنی اپنی عقل و دانست کے مطابق جینے کا حق حاصل ہے، یہ نکاح نامہ اور یہ کاغذات آپ کے سامنے آچکے ہیں، ان کی رو سے اب وہ دونوں میاں بیوی ہیں۔ آپ نے مجھے صاحب اولاد ہونے کی بات کی ہے نا، آپ یقین کیجئے کہ اگر میری بیٹی اپنی اس خواہش کا اظہار کرتی کہ وہ فلاں شخص سے شادی کرنا چاہتی ہے تو میں اس سے صرف اتنی اجازت لیتا کہ بیٹا یہ بتا دو وہ شخص کون ہے، کیا وہ اس قابل ہے کہ تمہاری زندگی کا ساتھی بن جائے اور تمہیں عزت آبرو کے ساتھ اپنے گھر میں رکھ سکے گا، اگر وہ ہاں کہتی تو میں اسے اجازت دے دیتا۔ جہاں تک مسعود سائل کا تعلق ہے تو میری معلومات کے مطابق وہ ایک غریب نوجوان ہے۔ محترم یوسف حمید صاحب محبت کے راستے تو اتنے وسیع ہیں کہ اگر کوئی کام محبت سے آگے بڑھے تو اس کے بہترین نتائج نکلتے ہیں۔ خیر چھوڑیئے ان باتوں کو۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ کی عزت قائم رہے۔ ایک چھوٹی سی تقریب منعقد کرلیجئے گا۔ مسعود سائل اور کچھ افراد آپ کے گھر آجائیں گے۔ آپ اپنی بیٹی کو اپنے داماد کے ساتھ رخصت کر دیجئے گا، یہ ایک بہترین عمل ہوگا۔''

''آپ مسعود سائل اور کچھ لوگوں کو لے کر میرے گھر آئیں گے، ایک مشورہ دوں آپ کو، جن لوگوں کو لے کر آپ میرے گھر آئیں، ان کا انتخاب اس شکل میں کیجئے کہ ان کے پیچھے رونے والا کوئی نہ ہو، کیونکہ یہاں سے ان کی زندہ واپسی ممکن نہیں ہوگی۔''

''ایک وکیل کی حیثیت سے میں نے آپ کے یہ الفاظ نوٹ کر لئے ہیں، میں انہیں ذہن میں رکھوں گا۔ یہ ایک شریفانہ عمل ہوتا جس سے آپ کی آبرو بھی برقرار رہتی اور مسئلہ بھی نمٹ جاتا۔ آپ اس کے لئے تیار نہیں ہیں نہ سہی، اگر مسعود سائل کو کچھ ہوا یا آپ نے اپنی بیٹی کے ساتھ کوئی سخت سلوک کیا تو ایک حلف نامے کے ساتھ آپ کے یہ الفاظ میں عدالت کے روبرو پیش کردوں گا، سمجھ رہے ہیں نا آپ؟''

''میں نے سمجھ لیا اچھی طرح سے محترم وکیل صاحب، آپ لوگوں نے جو بت تراش رکھے ہیں، ترقی کے نام پر، جدت کے نام پر میں ان تمام بتوں کو توڑ دوں گا، آپ کس ہوا میں ہیں، میں دیکھتا ہوں تم لوگ کس طرح اپنے مقصد میں کامیاب ہوتے ہو۔ سمجھ رہے ہو نا، یوسف حمید ہے میرا نام، وقت اور تقدیر کو بدلنا میرے داہنے ہاتھ کا کام ہے۔''

''ٹھیک ہے جناب۔ آپ اپنے داہنے ہاتھ کا استعمال کیجئے، اور مجھے اجازت دیجئے۔ یہ کاغذات اگر آپ رکھنا چاہیں تو رکھ لیجئے، خدا حافظ۔''

فراز صدیقی اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔

یوسف حمید نے نگاہ اٹھا کر اسے نہیں دیکھا تھا۔ وہ شدید غصے کے عالم میں تھے، چہرہ آگ کی طرح سرخ ہو رہا تھا، اسی وقت درخت کے عقب سے ہاشم باہر نکل آیا۔ فراز صدیقی کی ساری گفتگو وہ سن چکا تھا۔ قدموں کی آہٹ پر یوسف حمید نے پلٹ کر اسے دیکھا اور وہ ان کے سامنے آگیا۔

''بات اصل میں یہ ہے ماموں جان کہ میری ماں کہتی ہیں کہ انہوں نے آپ کو اپنی اولاد سمجھ کر پروان چڑھایا ہے، اس ناتے سے کچھ اور رشتے بھی قائم ہوتے ہیں میرے آپ سے، میں نے کبھی اپنی اوقات، اپنی حیثیت سے بڑھنے کی کوشش نہیں کی لیکن اس گھر کی آبرو کو ہمیشہ اپنی آبرو سمجھا ہے، کاش آپ مجھے اعتماد میں لے لیتے، اگر آپ کو مجھ پر اعتماد ہوتا تو آج اس گھر میں یہ سب کچھ نہ ہو پاتا۔''

''پہلی بات تو یہ ہے کہ تمہیں چھپ کر یہ ساری باتیں سننے کی جرأت کیسے ہوئی؟''

''گولی مار دیجئے مجھے ماموں جان۔ آپ کو بھلا کون پوچھے گا، بہت بڑے آدمی ہیں آپ لیکن مجھے یہ بتایئے کہ کیا اس گھر کی عزت آبرو سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے۔ ماموں جان جو کچھ ہوا ہے وہ انتہائی تکلیف دہ عمل ہے اور میں صرف ایک کام کرسکتا ہوں میں تو برا انسان ہوں، آپ بھی مجھے برا سمجھتے ہیں لیکن جو بہت برے لوگ ہوتے ہیں نا وہی اپنی عزت آبرو کے لئے جان دیتے ہیں۔ آپ سے اجازت چاہتا ہوں، اس دو کوڑی کے نوجوان کو قتل کردوں گا اپنے ہاتھوں سے، جس نے ہماری عزت پر ہاتھ بڑھانے کی کوشش کی ہے۔''

''تمہارا دماغ خراب ہے مجھے لیکچر دے رہے ہو، بکواس کرنے کی بالکل ضرورت نہیں ہے۔ میں اگر خود تمہیں اپنے کسی معاملے میں مداخلت کی اجازت دیتا تو تمہیں یہ جرأت کرنی چاہئے تھی۔ کیا سمجھ کر تم نے یہ فضول بات کی ہے، تمہارا کیا خیال ہے میں خود ناکارہ ہوں، چھتیس افراد کو قتل کرا سکتا ہوں سمجھے ہاشم صاحب۔ میں جانتا ہوں کہ مجھے اپنی عزت آبرو کس طرح محفوظ رکھنی ہے، آپ بہت زیادہ آگے بڑھنے کی کوشش نہ کریں، میں اپنے معاملات خود نمٹانا جانتا ہوں، سمجھے آپ۔''

''ٹھیک ہے ماموں جان میں اس وقت کا انتظار کروں گا جب آپ مجھے اپنے بیٹوں کا درجہ دیں۔ میں اس دنیا میں رہوں یا نہ رہوں، آپ یہ کہیں کہ ہاشم وفادار تھا...... میں انتظار کروں گا کہ آپ خود مجھ سے کہیں کہ ہاشم آگے بڑھو اور اپنی آبرو کا تحفظ کرو۔'' ہاشم ایک بھرپور ڈرامہ کر کے وہاں سے آگے بڑھ گیا تھا۔ ایسے ہی لمحات نمبر بنانے کے ہوتے ہیں اور وہ پانسہ پھینک گیا تھا، جانتا تھا کہ یوسف حمید جس مشکل میں پھنس گئے ہیں اس میں اسے ضرور یاد کریں گے۔

بہرحال یوسف حمید آگ بگولا بنے اپنی جگہ سے اٹھے تھے اور اندرونی حصے کی جانب چل پڑے تھے۔ وہ سیدھے اپنے کمرے میں پہنچے اور پھر الماری کھول کر انہوں نے پستول نکالا، اس میں میگزین لگایا اور پستول ہاتھ میں لے کر نادیہ کے کمرے کی جانب چل پڑے۔ سب سے پہلے انہیں اس عالم میں زاہدہ بیگم نے دیکھا تھا، پھر شائل نے...... زاہدہ بیگم تو ہول کر رہ گئی تھیں لیکن شائل کے چہرے پر تلخی پھیل گئی تھی۔ زاہدہ بیگم نے ان کے پیچھے دوڑنے کی کوشش کی تو شائل نے ان کا بازو پکڑ لیا۔

''کہاں جا رہی ہیں پھوپھی جان؟'' شائل سرد لہجے میں بولی۔

''وہ دیکھو، وہ پستول لے کر جا رہا ہے، اس کا رخ نادیہ کے کمرے کی جانب ہے۔''

''ان کی تقدیر میں ناکامیاں لکھی ہیں پھوپھی جان...... کیونکہ انہوں نے انسانوں کی زندگی کا مالک بننے کی کوشش شروع کردی ہے، جبکہ انسانی زندگی کا مالک صرف ایک ہے، وہی اسے دنیا میں بھیجتا ہے اور وہی بلاتا ہے۔''

''ارے پاگل وہ کچھ کر نہ ڈالے۔''

''کچھ نہیں کریں گے پھوپھی جان، کچھ نہیں کرسکتے، بات وہی آجاتی ہے نا کہ بلاوجہ کسی کی گردن پر پاؤں نہیں رکھنا چاہئے۔'' شائل نے کہا، پھر آہستہ آہستہ وہ آگے بڑھ گئی۔

زاہدہ بیگم حیران تھیں، ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ شائل اتنی مطمئن کیوں ہے لیکن نہ شائل بیوقوف تھی نہ نادیہ، سارے کام منصوبوں کے مطابق ہو رہے تھے۔ نادیہ کو معلوم تھا کہ آج فراز صدیقی اس شادی کا انکشاف کرنے کے لئے آ رہے ہیں، وہ یہ بھی جانتی تھی کہ اس کا ردعمل کیا ہوگا۔ بہن سے مسلسل رابطہ تھا۔ چنانچہ شائل کو اطلاع دے کر وہ خاموشی سے گھر سے باہر نکل گئی تھی اور اس کے بعد اسے ظاہر ہے اسی فلیٹ پر جانا تھا جو ان دنوں مسعود کی اور اس کی پناہ گاہ تھا۔ ادھر یوسف حمید نادیہ کے کمرے سے ناکام واپس آ کر کوٹھی کے چپے چپے میں اسے تلاش کر رہے تھے۔ شائل، زاہدہ بیگم کو لے کر ڈرائنگ روم میں داخل ہوگئی تھی۔ زاہدہ بیگم تھر تھر کانپ رہی تھیں۔ کچھ ہی لمحوں کے بعد یوسف حمید ڈرائنگ روم میں داخل ہوگئے، غصے کی شدت سے ان کا برا حال تھا۔ وہ اندر داخل ہو کر خونی نگاہوں سے شائل اور زاہدہ بیگم کو دیکھنے لگے، پھر ان کی لرزتی ہوئی آواز ابھری۔

''نادیہ کہاں ہے؟'' زاہدہ بیگم یا شائل نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

''میں پوچھتا ہوں نادیہ کہاں ہے؟''

''کسے معلوم ہے ڈیڈی، اگر آپ کو نہیں معلوم تو پھر کسی کو بھی نہیں معلوم۔''

''بکواس کر رہی ہے تو، تو سب کچھ جانتی ہے۔'' یوسف حمید آپے سے باہر ہو کر بولے اور شائل نے سر جھکالیا۔

''میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا، اس نے میری پرسکون زندگی کو داغدار کردیا ہے۔ تم لوگوں کو معلوم ہے کہ اس نے شادی کرلی ہے، میں جانتا ہوں کہ کم از کم شائل تجھے ضرور معلوم ہوگا، میری بہن تو میری ماں ہے، وہ مجھ سے غداری نہیں کرسکتی؟ زاہدہ باجی کیا آپ کو معلوم تھا کہ نادیہ نے شادی کرلی ہے۔''

''شش...... شش...... شادی کرلی ہے۔'' زاہدہ بیگم کی ہکلاتی ہوئی آواز ابھری۔

''کالک لگادی ہے اس نے میرے منہ پر، میری ساری عزت خاک میں ملادی ہے، تماشا بنا دیا ہے اس نے مجھے لیکن یہ لڑکی، یہ ضرور جانتی ہے، اسے ضرور معلوم تھا۔ یہ دونوں اس طرح میری آستین کا سانپ نکلیں گی مجھے نہیں معلوم تھا۔''

شائل ضبط نہ کرسکی اور اس کی آواز ابھری۔ ''وہ نکل گئی ہے یہاں سے ڈیڈی لیکن دوسری ناگن تو موجود ہے، آپ اپنا شوق یہ گولیاں میرے سینے میں اتار کر پورا کرلیں، کمال کی بات ہے ڈیڈی! اس نے آپ سے رجوع کیا تھا، آپ سے درخواست کی تھی کہ اسے اس کی مرضی کے مطابق زندگی گزارنے کی اجازت دے دیں، کوئی بہت بڑا مطالبہ تو نہیں تھا، ہر انسان اپنی خوشی سے جینا چاہتا ہے، آپ کیونکہ ہماری ضروریات پوری کرتے ہیں، اس کے نتیجے میں آپ ہماری زندگی کے مالک بن رہے ہیں، نہیں ڈیڈی! نہیں، آپ اپنا یہ شوق میرے سینے میں گولیاں اتار کر پورا کرلیجئے اور اسے اس کی مرضی سے زندگی گزارنے کی اجازت دے دیجئے۔''

یوسف حمید نے خونی نگاہوں سے شائل کو دیکھا اور بولے۔ ''اب تیرا کیا ارادہ ہے، تو کب شادی کر رہی ہے؟''

''میں کیا شادی کروں گی ڈیڈی! میں نے اپنی قربانی دے دی اس کیلئے، ماریئے نا آپ مجھے، کیوں نہیں مار رہے ہے۔''

یوسف حمید نے خونی نگاہوں سے شائل کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ''اگر تو سمجھتی ہے کہ اس پستول سے میں خودکشی کرلوں گا تو غلط خیال ہے تیرا شائل! میں تم دونوں کے لئے اپنی زندگی کیوں دوں، ٹھیک ہے تمہاری ماں اس دنیا سے چلی گئی اور اچھا ہی ہوا چلی گئی، ورنہ یہ عالم دیکھتی تو کیا جیتی بیچاری، جس طرح میں زندہ درگور ہوگیا ہوں، تم دونوں کی وجہ سے لیکن ایک بات ذہن میں رکھنا میں نادیہ کو چھوڑوں گا نہیں، وہ دنیا تو نہیں چھوڑ دے گی، وہ بھوکا ننگا آدمی اسے ملک سے باہر بھی نہیں لے جاسکتا، جس نے اس سے محبت کرکے اس سے شادی کی ہے، جس کی وجہ سے اس نے میری ساری زندگی کا پیار ٹھکرادیا ہے، مجھے زندہ درگور کردیا اس لڑکی نے لیکن زندہ نہیں چھوڑوں گا اسے، دیکھوں گا کہاں جاتی ہے، میں دیکھوں گا، کیا سمجھے تم لوگ......؟''

''ڈیڈی! دیکھ لیجئے گا، مار دیجئے گا اسے۔''

''تو جانتی ہے وہ کہاں گئی ہوگی، تجھے ضرور علم ہوگا۔''

''پورے اعتماد سے کہہ رہی ہوں ڈیڈی! مجھے علم ہے، کوئی ایسی کوشش کیجئے گا کہ میری زبان کھلوائیں، تشدد کیجئے مجھ پر، میرے بدن کو آگ سے جلایئے، میری آنکھوں کو پھوڑ دیجئے، میری زبان باہر کھینچ لیجئے، لگایئے پتہ، کہاں سے لگا سکتے ہیں؟'' شائل نے کہا۔

زاہدہ نے شائل کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ ''ہوش میں آ شائل! کیوں زبان چلا رہی ہے، کیوں بدتمیزی کررہی ہے؟''

شائل کے منہ سے کوئی اور آواز نہیں نکل سکی تھی۔ یوسف حمید باہر نکل گئے اور زاہدہ بیگم پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔

☆......☆......☆

چھٹا دن تھا۔ پورے گھر میں سوگ کا سا سماں تھا۔ وقت پر کھانا نہ ناشتہ...... یوسف حمید آفس جاتے تھے، کیا کرتے تھے، کیا نہیں کرتے تھے، کسی کو معلوم نہیں تھا، گھر میں بالکل خاموشی طاری تھی۔

اس دوران شائل اور نادیہ کے درمیان بھی کوئی رابطہ نہیں ہوا تھا۔ خاص طور سے اس بات کا خیال رکھا گیا تھا کہ فون پر کوئی رابطہ نہ رہے، سب اداس تھے۔ یوسف حمید کی سوچیں نہ جانے کہاں کہاں تک پہنچ رہی تھیں لیکن ابھی تک دل میں کوئی گداز نہیں پیدا ہوا تھا۔ یہ احساس ایک لمحے کے لئے بھی ان کے دل میں نہیں جاگا تھا کہ انہوں نے کوئی غلطی کی ہے، مجرم صرف نادیہ تھی، جس نے ایک غلط قدم اٹھایا تھا۔ یوسف حمید نے اس موضوع پر کسی سے کوئی بات بھی نہیں کی تھی۔ ہاشم نے بھی خاموشی اختیار کررکھی تھی لیکن درپردہ وہ نادیہ کا کھوج لگانے کی فکر میں تھا۔

ساتویں دن یوسف حمید کو کورٹ کا سمن موصول ہوا، جس میں انہیں اپنی بیٹی کے سلسلے میں عدالت میں پیش ہونے کی ہدایت کی گئی تھی۔ یوسف حمید دم بخود رہ گئے تھے۔

بے پناہ دولت کمائی تھی لیکن ایک ایک پیسہ ذہانت اور محنت سے کمایا تھا، کبھی کسی غیر قانونی قدم کے بارے میں نہیں سوچا تھا، عدالت کے حکم کو ٹالنے کی جرأت نہیں کرسکتے تھے۔ بہت نڈھال تھے۔ زاہدہ بیگم نے پوچھ لیا۔ ''مجھے بھی بتاؤ گے کیا بات ہے؟''

''سب کچھ تو پتہ ہے آپ کو باجی! کیا بتاؤں، عدالت سے سمن آیا ہے، ان بدبختوں نے عدالت میں درخواست دی ہے اور مجھے عدالت میں طلب کرلیا گیا ہے۔''

زاہدہ بیگم نے اس سے زیادہ اور کچھ نہیں پوچھا تھا، البتہ اسی شام ہاشم نے اپنی ماں سے کہا تھا۔ ''یہ حضرت ہمیشہ نقصان اٹھائیں گے، اپنوں کو دودھ کی مکھی کی طرح نکال پھینکا ہے، اب بھگتیں......!''

''تو ہمیشہ اس کے خلاف ہی بولنا۔''

''کمال کررہی ہو اماں! یہ خلاف بول رہا ہوں، دل جل رہا ہے میرا، ایسے ایسے دوست ہیں میرے کہ نام و نشان مٹادیں اس آدمی کا جس نے ہماری عزت آبرو پر ہاتھ ڈالا ہے لیکن ماموں جان میرا خیال ہے میرے علاوہ وہ سب کو اپنا ہمدرد سمجھتے ہیں۔''

''تو چپ رہ بابا! میرا دماغ خراب مت کر۔''

بہرحال وقت مقررہ پر یوسف حمید عدالت چل پڑے، البتہ اس دن انہوں نے زاہدہ بیگم اور شائل یا ہاشم کو اپنے ساتھ جانے سے نہیں روکا تھا، تینوں ہی نے اس بات کی ضد کی تھی کہ وہ عدالت جائیں گے۔ کمرۂ عدالت میں وہ سب یوسف حمید کے ساتھ ہی بیٹھے تھے۔ یوسف حمید کی نگاہیں جھکی ہوئی تھیں۔ معمولی شخصیت کے مالک نہیں تھے لیکن طبیعت میں جو ضد تھی، اس نے ہمیشہ انہیں کسی کی جانب قدم بڑھانے سے روکا تھا، بہت سے کاروباری دوست تھے جو ان کے لئے بہت کچھ کرنے پر آمادہ تھے لیکن بس وہ بات صرف کاروبار کی حد تک ہی رکھتے تھے۔ اجمل بھی اتفاق سے ان دنوں ان سے نہیں مل سکے تھے، چنانچہ انہیں صورتحال کا کوئی اندازہ نہیں تھا۔

یوسف حمید کمرۂ عدالت میں پتھرائے ہوئے بیٹھے تھے کہ مسعود سائل کے نام کی آواز لگی اور مسعود سائل اور نادیہ کمرۂ عدالت میں داخل ہوگئے۔ سب نے نادیہ کی صورت دیکھی، نادیہ کی نگاہیں جھکی ہوئی تھیں۔

عدالتی کارروائی کا آغاز ہوا۔ نادیہ کو کٹہرے میں طلب کیا گیا اور سرکاری وکیل نے اس سے اس کے بارے میں سوال کیا تو نادیہ نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''میرا نام نادیہ یوسف حمید ہے، میں نے عدالت کی اجازت سے مسعود سائل سے شادی کی ہے اور میں اپنی مرضی سے اس کے ساتھ زندگی گزارنے کی اجازت چاہتی ہوں، میں چاہتی ہوں کہ مجھے میری پسند کی زندگی دی جائے اور اس سلسلے میں میرے والد کی طرف سے ہونے والی ہر مداخلت کے خلاف میرا تحفظ کیا جائے۔''

یوسف حمید کو آواز دی گئی تو وہ لڑکھڑاتے ہوئے کٹہرے میں پہنچے۔ جج صاحب نے ان سے پوچھا کہ کیا وہ اپنی بیٹی کو اس کی زندگی اپنی مرضی سے گزارنے کی اجازت دیتے ہیں تو یوسف حمید نے صرف ایک لفظ کہا۔ ''نہیں۔''

ان سے بہت سے سوالات کئے گئے لیکن اس کے بعد ان کے منہ سے کوئی لفظ نہیں نکلا تھا۔ جج صاحب نے فیصلہ دیا۔

''مذہب اور قانون کسی بھی بالغ یا بالغہ کو اس کی پسند کے مطابق زندگی گزارنے سے نہیں روکتا بشرطیکہ وہ جائز اور شرع کے مطابق ہو، یہ دور کسی کو بھی پابند رکھنے کا نہیں ہے، شوہر اور بیوی اپنی مرضی سے زندگی گزار سکتے ہیں، چنانچہ نادیہ یوسف حمید کو اس کے شوہر کے ساتھ جانے کی اجازت دی جاتی ہے۔''

بس یہ مختصر سی کارروائی ہوئی اور اس کے بعد نادیہ، مسعود کے ساتھ کمرۂ عدالت سے باہر نکل آئی۔ یوسف حمید لڑکھڑاتے قدموں سے کمرۂ عدالت سے باہر چل پڑے تھے۔ شائل اور زاہدہ بیگم بھی ساتھ تھیں، البتہ ہاشم اس وقت ان کے ساتھ موجود نہیں تھا، وہ کمرۂ عدالت سے کہیں اور نکل گیا تھا۔ ڈرائیور نے ان لوگوں کو گھر چھوڑ دیا۔ یوسف حمید اپنے کمرے میں آبیٹھے تھے۔ شائل تو اپنے کمرے میں چلی گئی تھی لیکن زاہدہ بیگم، یوسف حمید کے پاس موجود تھیں۔

''یوسف! اچھا نہیں ہوا یہ سب کچھ...... قانون بہرحال اپنا ایک مقام رکھتا ہے۔''

''باجی! میری ماں ہیں آپ، کبھی آپ کے کسی بھی حکم سے انحراف نہیں کروں گا، اس وقت ہاتھ جوڑ کر کہتا ہوں مجھے تنہا چھوڑ دیجئے۔''

''ایک بات کہنا چاہتی ہوں تم سے، اگر تم نے اپنے آپ کو کوئی نقصان پہنچایا تو میں خودکشی کرلوں گی، زندہ جلالوں گی اپنے آپ کو، اتنا تو حق ہے میرا تم پر کہ تم سے یہ الفاظ کہہ سکوں۔''

''نہیں باجی، میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو اپنے آپ کو نقصان پہنچاتے ہیں، بس اتنا کہہ دینا کافی ہے۔'' یوسف حمید نے کہا۔

''ٹھیک ہے۔'' زاہدہ بیگم کمرے سے باہر نکل گئیں۔

یوسف حمید بدستور کمرے میں بیٹھے رہے تھے۔ ذہن میں نجانے کیا کیا خیالات آرہے تھے۔ دنیا کہاں پیچھا چھوڑتی ہے، یہ واقعہ ہوگیا تھا، اخبار والے بھلا اس بارے میں تفصیلات کیوں نہیں لکھیں گے، وہ کسی کو نہیں روک سکتے تھے، یہ تو ان کا کام ہے۔ بڑی بے عزتی ہوئی تھی، بیٹیاں جوان ہوکر یہ سلوک کریں گی ان کے ساتھ...... خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔ کوئی فیصلہ نہیں کرپارہے تھے، پورے بدن میں آگ لگی ہوئی تھی اور یہ آگ بجھانا بڑا مشکل تھا۔

وہ پورا دن اور پوری رات بیٹھے رہے۔ دوسرے دن صبح غسل کرنے کے بعد ناشتہ طلب کیا، سارے اخبارات منگوا لئے۔ ان کا اندازہ بالکل درست تھا۔ اخبارات میں ملک کے بہت بڑے آدمی کی بیٹی کا بھرپور تذکرہ کیا گیا تھا، تصویریں بھی چھاپی گئی تھیں اور تبصرہ آرائیاں بھی کی گئی تھیں۔ بہرحال یہ سب کچھ تو ہونا ہی تھا۔ انہوں نے اپنے اندر نجانے کہاں سے صبر پیدا کرلیا تھا۔

گیارہ بجے کے قریب جب وہ آفس پہنچ گئے تو ان کے پاس اجمل کا فون آیا۔ اجمل نے کہا۔ ''معاف کیجئے گا یوسف بھائی! آج کے اخبارات میں......!''

''ہاں اجمل بھائی! پڑھ لیا ہوگا آپ نے، یہ سب کچھ میرے علم میں نہیں تھا، بہرحال شرمندہ تو میں اپنے آپ سے ہوں۔''

''آپ تو شرمندہ ہیں یوسف صاحب! لیکن ہم نے تو بہت سے لوگوں سے یہ بات کہہ دی تھی کہ ہمارے بیٹے صغیر احمد کی شادی یوسف حمید صاحب کی بیٹی نادیہ یوسف سے ہونے والی ہے۔''

''جن لوگوں سے آپ نے یہ باتیں کہی تھیں نا، آپ انہیں یہ اخبارات دکھا دیجئے۔''

''عجیب باتیں کررہے ہیں آپ یوسف صاحب......''

''آپ کا دماغ خراب ہوگیا ہے، اجمل صاحب! کوئی تقریب تو نہیں ہوئی تھی، ہماری صرف ملاقات ہوئی تھی، باتیں ہوئی تھیں، آپ اس انداز میں مجھ سے سوالات کیوں کررہے ہیں؟''

''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ کو کیا ہوگیا ہے، میں تو سوچ رہا تھا کہ آپ بستر علالت پر ہوں گے، آپ اپنے آفس میں بیٹھے ہوئے ہیں۔''

''تو پھر......؟''

''نہیں میرا مطلب ہے، میں آپ سے بات کرنا چاہتا ہوں۔''

''اب کیا بات کریں گے آپ، میں نے کوئی قرض لیا ہوا ہے آپ سے۔''

''آپ براہ کرم ٹھنڈے ہوکر سوچئے، نادیہ نے یہ سب کچھ کر ڈالا، میں سمجھتا ہوں کہ اس میں آپ کا بالکل قصور نہیں ہے، آپ کی دوسری بیٹی شائل کے بارے میں سوچا جاسکتا ہے۔''

''بالکل خاموشی اختیار کیجئے اور فون بند کردیجئے، میں پہلے اپنے آپ کو مطمئن کرلوں، اس کے بعد سوچوں گا کہ مجھے آگے کیا کرنا ہے، نہ آپ مجھ سے ہمدردی کیجئے، نہ اس طرح کی کوئی بات کریں پلیز!'' یہ کہہ کر یوسف حمید نے فون بند کردیا۔

ڈھیٹ تو بننا ہی تھا، دن بھر فون موصول ہوتے رہے، پورا دن چائے کا ایک کپ بھی نہیں پیا تھا بس فائلوں پر نگاہیں دوڑاتے رہے تھے لیکن کوئی بات سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔ شام کو گھر واپس آگئے، کمرے میں پہنچے تو زاہدہ بیگم آگئیں۔

''جی باجی......!''

''تمہارے بارے میں مجھے اندازہ ہے اور چہرہ بھی بتا رہا ہے کہ کچھ کھایا پیا نہیں ہے۔''

''باجی......!''

''نہیں یوسف! اتنا بے حقیقت قرار نہ دو مجھے ورنہ گھر چھوڑ کر چلی جاؤں گی، ساری زندگی کبھی سوچا بھی نہیں ہے گھر کو چھوڑنے کے بارے میں لیکن اگر تم نے میرے ساتھ یہ رویہ اختیار کیا غیروں جیسا تو شاید میں یہاں نہ رہ سکوں، اس کمرے سے باہر جاؤں گی اور پھر اس گھر میں واپس نہیں آؤں گی۔''

''باجی! آپ جذباتی ہورہی ہیں، بتایئے کیا حکم ہے میرے لئے؟''

''کھانا کھاؤ۔''

''ٹھیک ہے منگوالیجئے۔''

کھانا کھایا گیا۔ کھانے پر ہاشم بھی شریک ہوا تھا۔ بہت کم ہی ایسا ہوتا تھا جو وہ اپنے معمولات ترک کرکے ان کے ساتھ کھانے پینے میں شریک ہو، اس وقت بھی موجود تھا، شائل بھی تھی، یوسف حمید نے بہت تھوڑا سا کھانا کھایا اور پھر جب وہ اٹھ کر اپنے کمرے کی جانب چلے تو ہاشم ان کے پیچھے پیچھے ان کے کمرے میں داخل ہوگیا۔ یوسف حمید نے تیکھی نگاہوں سے اسے دیکھا تو ہاشم ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''میں نے عرض کیا تا ماموں جان! اماں ٹھیک کہہ رہی ہیں، آپ ہم دونوں ماں، بیٹوں کو دھکے دے کر گھر سے باہر نکال دیں، میرا خیال ہے ہم اپنے بارے میں غلط فہمی کا شکار ہیں۔''

''بیٹھو کیا کہنا چاہتے ہو؟''

''اب بھی آپ خاموش رہیں گے ماموں جان، میں نے پہلے بھی آپ کو پیشکش کی تھی کہ اس شخص کی زندگی ہمارے لئے خطرناک ہوسکتی ہے، آج کے اخبارات پڑھے ہوں گے آپ نے ماموں جان! لوگ مجھ سے بھی سوالات کررہے ہیں، کسی نہ کسی حیثیت سے تو وہ مجھے جانتے ہی ہیں۔''

''کہنا کیا چاہتے ہو، وہ کہو؟'' یوسف حمید نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

''یہی کہ مجھے حکم دیجئے کہ میں اس بے عزتی کا بدلہ لوں۔''

یوسف حمید نے آنکھیں کھولیں اور ہاشم کو گھورتے ہوئے کہا۔ ''کیا کرسکتے ہو؟''

''مسعود سائل کو جہنم رسید کرسکتا ہوں، اس کام کی آپ مجھے اجازت دے دیجئے۔''

''صرف اسے......''

''کک...... کیا مطلب؟''

''میرا مطلب ہے کہ صرف اسے قتل کردو گے، نادیہ کو چھوڑ دو گے؟ کیا اس لئے کہ وہ میری بیٹی ہے، ہے کا لفظ درمیان سے نکال دو، وہ میری بیٹی تھی اور میں سچ بتا دوں تمہیں کہ اب میری کوئی بیٹی نہیں ہے، شائل بھی میرے لئے خوف کا باعث بن چکی ہے۔''

''ماموں جان! اگر آپ سے کچھ کہوں گا تو آپ کہیں گے کہ موقع سے فائدہ اٹھا رہا ہوں، اس لئے میں اپنی اس بات کو پھر کبھی کے لئے چھوڑ دیتا ہوں، میں......!''

''سنو کرسکتے ہو وہ، جو کہہ رہے ہو؟''

''حکم دے کر دیکھئے۔''

''تو ٹھیک ہے، ان دونوں کو ختم کرادو، آگ لگا دو ان کی جنت میں، کرسکتے ہو یہ کام......؟''

''بآسانی ماموں جان! بآسانی، آپ بے فکر رہئے۔''

''کہاں ہیں وہ دونوں، کہاں رہتے ہیں، جس گھر میں وہ رہتا تھا، وہ ایک کچی آبادی میں تھا، میں بھرپور طریقے سے اس کا جائزہ لے چکا ہوں، اب وہ وہاں نہیں رہتا۔''

''وہ جہاں رہتے ہیں، میں معلوم کرچکا ہوں ماموں جان!''

''معلوم کرچکے ہو؟''

''ہاں......!''

''کیسے......؟''

''کمرۂ عدالت سے میں پہلے نکل گیا تھا، صورتحال کا مجھے اندازہ تھا، اس کے بعد وہ دونوں باہر نکلے اور ایک ٹیکسی میں بیٹھ کر چل پڑے، میں دوسری ٹیکسی میں ان کے پیچھے تھا، میں نے اپنی کار اس لئے نہیں لی تھی کہ ان دونوں کو شبہ نہ ہوجائے، میں نے ٹیکسی میں بیٹھ کر ان کا پیچھا کیا، وہ ایک فلیٹ میں رہتے ہیں، مسعود سائل خاصے دن پہلے اس فلیٹ میں منتقل ہوچکا تھا، اس نے اپنی پرانی رہائش گاہ چھوڑ دی تھی، آس پاس کے لوگوں سے معلوم کرنے پر یہی پتہ چلا ہے اور میں نے ان دونوں کو اسی فلیٹ میں جاتے ہوئے دیکھا ہے۔''

''اوہو! تم نے عقل سے کام لیا۔''

''ماموں جان! ابھی کام لے کر ہی نہیں دیکھا آپ نے مجھ سے، اصل میں کچھ کمزوریاں میری بھی ہیں لیکن خیر اس وقت میں آپ سے کچھ نہیں کہوں گا، میں آپ کو ان کی موت کی اطلاع دوں گا، جس طرح اخبارات میں یہ سب کچھ چھپا ہے، اسی طرح ان دونوں کی لاشوں کی تصویریں بھی اخبارات میں چھپی ہوں گی لیکن ایک درخواست کرنا چاہتا ہوں آپ سے۔''

''بولو۔''

''نادیہ کے ساتھ کچھ رعایت برت دیجئے۔''

''مطلب......؟''

''یہ بات تو آپ جانتے ہیں کہ یہ قلاش لوگ، یہ غریب لڑکے کسی لڑکی کے ذریعے ہمیشہ اپنی تقدیر بنانے کے خواہشمند رہتے ہیں، نادیہ اتنی قصوروار نہیں ہوگی، اس شخص نے جس کا نام مسعود سائل ہے، نجانے کیسے کیسے ہتھکنڈے استعمال کرکے نادیہ کو اپنے جال میں پھانسا ہوگا۔''

''دیکھو ہاشم......! میں تمہیں ایک بات بتاؤں، میں بہت کم لوگوں سے اپنے ذاتی کام لیتا ہوں، میں نے کبھی کسی سے انتقام لیا ہے اور نہ کبھی کسی کو کوئی نقصان پہنچایا ہے

لیکن اب مجبوری ہے، میں تم سے صرف یہ سننا چاہتا ہوں کہ تم ان دونوں کے قتل کی ذمے داری قبول کررہے ہو۔''

''جی ماموں جان!''

''ٹھیک ہے پھر جاؤ اور سنو اس کا کوئی صلہ کوئی معاوضہ مجھ سے مت مانگنا، میں تمہیں کچھ نہیں دے سکوں گا۔''

''ماموں جان! آپ یہ کیوں سوچتے ہیں، میں آپ کا خون ہوں، آپ کے لئے دنیا کا ہر کام کرسکتا ہوں۔'' بہرحال ہاشم یہ ذمے داری لینے کے بعد کمرے سے باہر نکل گیا لیکن یوسف حمید کو اور نہ ہی ہاشم کو یہ معلوم تھا کہ ایک دروازے سے چھپی ہوئی شائل یہ ساری باتیں سن رہی ہے۔ ایک ایک لفظ اس کے علم میں آچکا تھا، چنانچہ اس نے فوراً ہی اپنے کمرے میں جاکر اندر سے دروازہ بند کیا اور موبائل پر نادیہ سے رابطہ قائم کرنے لگی۔ چند ہی لمحوں کے بعد یہ رابطہ قائم ہوگیا۔

''شائل میری بہن! خیریت سے ہو؟'' نادیہ نے پوچھا۔

''سب ٹھیک ہے، نادیہ فکرمند نہ ہو۔''

''ڈیڈی......!''

''میں نے کہا نا ڈیڈی بھی ٹھیک ہیں، ڈیڈی جس مزاج کے انسان ہیں، تمہیں معلوم ہے اور اب ہاشم ان کے آلۂ کار بن گئے ہیں، کمرۂ عدالت سے نکلتے ہوئے ہاشم نے تم دونوں کا پیچھا کیا تھا اور اس فلیٹ کا پتہ لگالیا جس میں تم لوگ رہتے ہو، اب ڈیڈی نے ہاشم کو حکم دیا ہے کہ تم دونوں کو زندہ جلا دیا جائے، نادیہ! فوراً ہی اپنی حفاظت کا بندوبست کرو، تمہارے ساتھ مسعود بھائی کی زندگی بھی ہے، اب وہ ہمارے اپنے ہیں، ڈیڈی کے مزاج سے تم واقف ہو اور ہاشم وہ تو ہے ہی جرائم پیشہ آدمی...... جس قدر جلد ممکن ہوسکے، یہ کام کرلو، ڈیڈی نے اسے فری ہینڈ دے دیا ہے۔''

''ٹھیک ہے، میرا نمبر یہی ہوگا، مسعود کا نمبر میں تمہیں بعد میں بتا دوں گی، ہم دونوں فوری طور پر اپنی حفاظت کا بندوبست کرتے ہیں، تمہارا بے حد شکریہ!'' نادیہ کے ان الفاظ پر شائل کی سسکی سی نکل گئی۔

نادیہ کافی ذہین اور سمجھدار تھی۔ اب تک وہ اپنی ذہانت سے بچی رہی تھی لیکن جانتی تھی کہ اس کے والد بے پناہ اختیارات کے حامل ہیں، کچھ بھی کرسکتے ہیں اور سچی بات یہ ہے کہ اس قدر صاحب اختیار ہیں کہ کچھ کرنے کے بعد بھی انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ فوراً ہی اس نے مسعود کو فون کیا جو کسی کام سے نکلا ہوا تھا اور اس سے کہا کہ کسی ہوٹل میں ایک کمرے کا بندوبست کرکے آئے، بعد میں ساری صورتحال اسے بتائے گی۔ مسعود نے پوچھا۔ ''کچھ بتاؤ تو کیا معاملہ ہے؟''

اس نے کہا۔ ''دیکھو مسعود! ہر چیز کا تجسس نہیں کرتے اور ہر مسئلے میں عقل کل بننے کی کوشش نہیں کرتے، جو میں کہہ رہی ہوں، پلیز وہ کرلو، تمہاری مہربانی ہوگی۔''

مسعود نے وعدہ کیا کہ وہ یہ کام کرکے آتا ہے اور جب وہ گھر پہنچا تو اس نے بڑے متجسس لہجے میں کہا۔ ''ارے یہ کیا کہاں جارہی ہو، ہوٹل میں جاکر کیا کروگی؟''

''پلیز جلدی نکلو یہاں سے، پچھلے دروازے سے ہم ٹیکسی میں بیٹھ کر چلیں گے۔'' مسعود کو تھوڑا تھوڑا صورتحال کا اندازہ ہورہا تھا۔ بہرحال اب تک نادیہ ہی یہ سب کچھ کرتی رہی تھی، خود اس نے کچھ بھی نہیں کیا تھا اس لئے یہ ضروری تھا کہ نادیہ کی خواہش کے مطابق عمل کیا جائے۔ کافی دور تک وہ پیدل چلتے رہے۔ نادیہ نے اپنے اور مسعود کے کپڑے وغیرہ لے لئے تھے اور کچھ ایسی ضروری چیزیں جن کی انہیں فوری ضرورت پڑ سکتی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ اس ہوٹل کے کمرے میں منتقل ہوگئے جس میں مسعود نے بندوبست کیا تھا۔

''ہاں اب بتاؤ، تم نے تو مجھے سخت متجسس کردیا نادیہ!''

''سمجھ ہی گئے ہوگے تم، ڈیڈی اب ہماری زندگی کے درپے ہوگئے ہیں اور وہ شخص جس کا نام ہاشم ہے اور جو میرا پھوپھی زاد بھائی ہے، اس نے ہم دونوں کو قتل کرنے کا بیڑا اٹھایا ہے۔''

''ویری گڈ! اکیلا قتل کرے گا یا کچھ لوگوں کے ساتھ مل کر؟'' مسعود نے پرمزاح لہجے میں کہا۔

''نہیں مسعود! کم از کم میں تمہاری زندگی کا خطرہ نہیں مول لے سکتی۔''

''ٹھیک ہے، ہوٹل منتقل ہوگئے ہیں لیکن کیا......؟''

''نہیں، میرا خیال ہے ہمیں فوری طور پر فراز صدیقی صاحب سے رابطہ قائم کرنا چاہئے۔''

''بہت اچھا فیصلہ کیا ہے۔''

''میں بات کرتی ہوں ان سے۔''

فراز صدیقی صاحب نے فون ریسیو کرتے ہوئے کہا۔ ''ہاں بیٹے! بولو کیا بات ہے؟''

''انکل! ہمیں فوری طور پر آپ کی ضرورت ہے۔''

''آجاتا ہوں، میرا انتظار کرو، آدھے گھنٹے سے زیادہ نہیں لگے گا۔''

''انکل! فلیٹ چھوڑ دیا ہے ہم نے۔''

''چھوڑ دیا ہے؟''

''ہاں......! آپ پلیز ہمارے ہوٹل کے کمرے میں آجایئے۔''

نادیہ نے فراز صدیقی کو ہوٹل کا نام اور کمرہ نمبر بھی بتایا۔ فراز صدیقی نے پرتجسس لہجے میں کہا۔ ''ٹھیک ہے، میں آرہا ہوں۔''

☆......☆......☆

فراز صدیقی صاحب تفصیل سن کر فکرمند ہوگئے تھے۔ انہوں نے کہا۔ ''میں یوسف حمید صاحب کی ذہنی کیفیت سمجھتا ہوں اور یہ بھی جانتا ہوں کہ وہ اگر یہ سب کچھ کرنے پر آجائیں تو بہت خطرناک ثابت ہوسکتے ہیں، کیونکہ زبردست تعلقات کے حامل ہیں، اس سلسلے میں اگر ہاشم کو ان کی آشیرباد حاصل ہوجائے تو اس کا بھی کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔''

''پھر ہم کیا کریں صدیقی صاحب......؟''

''صرف ایک مشورہ دے سکتا ہوں۔''

''جی بتایئے۔''

''یہ شہر چھوڑ دو۔'' فراز صدیقی نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا اور دونوں سوچ میں ڈوب گئے۔ فراز صدیقی نے کہا۔ ''میں اس سلسلے میں تمہاری مدد کرسکتا ہوں، ایک دوسرے بڑے شہر میں میری سسرال ہے، میرے برادر نسبتی وغیرہ بھی اچھی حیثیت رکھتے ہیں، وہ تمہاری رہائش کا بھی بندوبست کردیں گے اور وہ تمہارے لئے نوکری کا بھی بندوبست کردیں گے اس کے علاوہ مجھ سے کچھ اور چاہتے ہو تو بتاؤ؟''

مسعود کسی سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس نے آخرکار افسردہ ہوکر کہا۔ ''آپ یہ بندوبست کردیجئے۔''

''میں تمہیں فون پر اطلاع دوں گا۔''

فراز صدیقی کے جانے کے بعد مسعود نے مسکرا کر کہا۔ ''میں نے تم سے مشورہ کئے بغیر صدیقی صاحب کو باہر جانے کا عندیہ دے دیا، تمہیں برا تو نہیں لگا؟''

''بالکل نہیں، بلکہ مجھے خوشی ہوئی کہ تم نے اپنا فرض پورا کیا، میرا مستقبل اب تمہارے سہارے ہے، تمہارا ہر فیصلہ مجھے قبول ہے۔'' نادیہ نے جواب دیا۔

''میں بزدل نہیں ہوں نادیہ......! لیکن یوسف صاحب کے کسی عمل کا مقابلہ نہیں کرنا چاہتا۔''

''میں جانتی ہوں۔'' نادیہ نے کہا۔

فراز صدیقی ایک اچھے مددگار ثابت ہوئے۔ تیسرے دن انہوں نے ٹرین کے دو ٹکٹ ان کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔ ''میری بھی تھوڑی سی پی آر ہے، ہاشم چند افراد کے ساتھ تم دونوں کو تلاش کرتا پھر رہا ہے، وہ زیادہ تر تمہیں اعلیٰ درجے کے ہوٹلوں میں تلاش کررہا ہے یا پھر ایئرپورٹ وغیرہ پر...... میں نے اسی لئے تمہارے ٹرین کے ٹکٹ خریدے ہیں، ریلوے اسٹیشن پر فیروز تمہیں خوش آمدید کہے گا اور تمہارے لئے سارے بندوبست کردے گا، اسے پوری تفصیل بتادی گئی ہے، تیار ہوجاؤ، میں خود تمہیں ٹرین میں بٹھا کر آؤں گا۔''

دونوں نے فراز صدیقی سے ممنونیت کا اظہار کیا تھا۔ فراز وکیل تھے، سارے ہتھکنڈوں سے واقف تھے، بڑی رازداری سے انہوں نے ان دونوں کو ٹرین تک پہنچایا تھا۔ ابھی تک نادیہ نے دوسری بار شائل سے بات نہیں کی تھی۔ یہ شہر چھوڑتے ہوئے اسے دلی رنج ہورہا تھا، زندگی کی ہر بہار اسی شہر سے وابستہ تھی۔ اس نے شائل کو فون کیا، رابطہ قائم ہوتے ہی شائل نے کہا۔ ''کیسی ہو نادیہ......؟ زیادہ بات نہیں کروں گی، مجھ پر بھرپور نگاہ رکھی جارہی ہے، ان لوگوں کو یقین ہے کہ میرا تم سے رابطہ ہے، تم ٹھیک ہو؟''

''ہاں۔''

''بس باجی! اللہ تمہیں خیریت سے رکھے پھر بات کروں گی، کوئی آرہا ہے۔'' یہ کہہ کر شائل نے فون بند کردیا۔ اسی وقت مسعود نے نادیہ کی گردن پر ہاتھ رکھ کر اسے جھکا دیا اور نادیہ چونک پڑی۔ اس نے سوالیہ نظروں سے مسعود کو دیکھا تو مسعود نے آنکھوں سے ایک طرف اشارہ کیا۔ نادیہ نے اس طرف دیکھا تو اس کی جان نکل گئی۔ ہاشم تین غنڈوں کے ساتھ اسی طرف آرہا تھا۔

(جاری ہے)

ایم اے راحت

قسط: 4

نادیہ کے پورے وجود میں سنسنی دوڑ گئی۔ اس کا چہرہ دھواں دھواں ہوگیا تھا۔ مسعود نے سرگوشی کے انداز میں کہا۔ ''نادیہ! میں ہوں، تمہاری حفاظت کی ذمے داری مجھ پر ہے، بالکل بے فکر رہو، یہ ہمارا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکے گا، میں نے تمہیں خطرے میں دیکھا تو اسے قتل کردوں گا۔'' مسعود نے اس طرح کا رخ اختیار کیا کہ ہاشم اسے دیکھ نہ سکے۔ نادیہ کو بھی اس نے پہلے ہی نیچے جھکا دیا تھا۔ اسی وقت ٹرین آہستہ آہستہ رینگنے لگی۔ مسعود نے ایک بار پھر ہاشم کو دیکھا اور ایک دم اسے احساس ہوا کہ ہاشم نے انہیں دیکھا نہیں ہے۔ بس یہ اندازہ ہوا تھا کہ وہ اسی طرف آرہا ہے لیکن وہ قریب پہنچ کر دوسرے ڈبوں میں نگاہیں دوڑانے لگا تھا۔ مسعود کے منہ سے نکلا تھا۔ ''خدا کا شکر ہے۔''

نادیہ گہری گہری سانسیں لینے لگی۔ اب وہ سیدھی ہوگئی تھی، آہستہ آہستہ ٹرین رفتار پکڑنے لگی اور پھر وہ خاصی تیز ہوگئی۔

''ایک بات کہوں؟'' نادیہ بولی۔

''ہاں بولو۔''

''یقیناً وہ ریلوے اسٹیشن بلاوجہ نہیں آیا ہوگا، اسے کوئی نہ کوئی سن گن ضرور ملی ہوگی۔''

''امکانات ہیں اس بات کے۔''

''کہیں وہ کسی اور ڈبے میں نہ چڑھ گیا ہو، اس خیال کے تحت کہ ہم اسی ٹرین سے سفر کررہے ہیں، بعد میں وہ ہمیں تلاش کرنے کی کوشش کرے کیونکہ ٹرین چل پڑی ہے۔''

''نادیہ! اگر ایسی بات ہے بھی تو تم اس قدر پریشان کیوں ہو؟'' اسی وقت مسعود کو اپنے موبائل فون پر اشارہ موصول ہوا اور اس نے نمبر دیکھ کر جلدی سے موبائل فون آن کردیا۔

''مسعود......؟'' ادھر سے پوچھا گیا۔

''جی وکیل صاحب، میں بول رہا ہوں۔''

''ہاشم ہمارا تعاقب کرتا رہا ہے، یہ تو مجھے معلوم نہیں کہ اس نے تمہیں دیکھا یا نہیں لیکن مجھے اس بات کا شبہ ہے کہ وہ میرا تعاقب کرتا ہوا ریلوے اسٹیشن پہنچا ہے، لازمی بات ہے کہ ان لوگوں کو مجھ پر شبہ ہوگا، یوسف حمید صاحب میری طرف سے کافی بددل ہیں اور یہ بات ان کے علم میں ہے کہ میری وجہ سے انہیں ناکامی کا سامنا کرنا پڑا ہے اور نادیہ اور تم ان کے ہاتھ سے نکل گئے ہو، بس مجھے یہ کہنا ہے کہ ذرا احتیاط رکھنا، اس نے لازمی طور پر مجھے ٹریس کیا ہے۔''

''کیا وہ اس ٹرین میں چڑھ گیا ہے؟''

''نہیں، اس کے ساتھ تین افراد تھے، وہ ناکام ہوکر واپس چلا گیا ہے، ٹرین روانہ ہونے کے بعد وہ اپنے آدمیوں کے ساتھ ریلوے اسٹیشن کے ایک ایک چپے کو تلاش کرتا پھرا ہے، غالباً اسے میری تلاش ہوگی، بس مجھے تم سے یہ کہنا ہے کہ احتیاط رکھنا، وہاں پہنچ جاؤ تو فیروز سے مجھے فون کرانا اور اس سے یہی کہنا ہے کہ مجھ سے بس اتنا کہے کہ مہمان آگئے ہیں، کیا سمجھے؟''

''ٹھیک ہے جناب! اب تو آپ کا شکریہ بھی نہیں ادا کرسکتا، ایک شرم سی محسوس ہوتی ہے۔''

''خدا حافظ، خدا تم دونوں کو سکون کی زندگی عطا کرے۔'' وکیل صاحب نے پرخلوص لہجے میں کہا۔

☆......☆......☆

ہاشم کے چہرے پر پھٹکار برس رہی تھی۔ گھر میں داخل ہوا تو اتفاق سے سب سے پہلے یوسف حمید سے ملاقات ہوئی۔ یوسف حمید نے غور سے اس کے چہرے کو دیکھا اور ان کے چہرے پر نفرت کے آثار پھیل گئے۔

''میں کسی کو کبھی راز دار نہیں بناتا، زندگی میں اپنے مسائل سے خود ہی نمٹتا چلا آیا ہوں، مجھے ایسے نکمے لوگوں سے سخت نفرت ہے جو کسی کام میں ناکام ہوکر منہ بنا کر سامنے آجاتے ہیں حالانکہ انہیں زندگی کی آخری سانس تک جدوجہد کرنی چاہئے۔''

''میں زندگی کی آخری سانس تک جدوجہد کروں گا ماموں جان، آپ نے آج تک مجھ پر غور ہی نہیں کیا، جتنا چاہتا ہوں میں آپ کو، شمائل کو اور نادیہ کو...... آپ کبھی اس چاہت تک پہنچ ہی نہیں سکتے کیونکہ آپ کو فرصت نہیں ہے۔''

''کہانیاں سناؤ گے مجھے یا کچھ بتاؤ گے بھی...... تم نے تو بڑے اعتماد سے مجھ سے کہا تھا کہ ماموں جان آپ مجھے اجازت دیجئے، میں اس جھگڑے کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم کردوں، قتل کردوں مسعود کو...... کردیا، میں اسی لئے کبھی کسی پر بھروسہ نہیں کرتا۔''

''آپ مجھ پر بھروسہ کیجئے ماموں جان! اس کے علاوہ اور کیا کہہ سکتا ہوں...... کسی کام میں دیر بے شک ہوجاتی ہے لیکن بہرحال وہ پایہ تکمیل تک پہنچ ہی جاتا ہے، عدالت سے اس فلیٹ تک میں نے ان کا پیچھا کیا تھا، آپ کی اجازت کے بغیر، وہاں سے معلومات حاصل کیں، مسعود نے اپنا پرانا گھر چھوڑ کر اسی فلیٹ میں رہائش اختیار کی تھی، وہ وہاں رہ رہا تھا اور آخرکار انہوں نے وہ فلیٹ چھوڑ دیا، میں نے دل میں سوچا کہ وہ وکیل ان کا بہترین مددگار ہے، وہی ان کی مدد کررہا ہوگا، چنانچہ میں نے ان کی تلاش میں ناکام ہوکر وکیل کا تعاقب کیا اور وکیل کو میں نے ریلوے اسٹیشن تک جاتے ہوئے دیکھا، مجھے اب بھی شبہ ہے ماموں جان کہ وکیل نے انہیں اس شہر سے بحفاظت نکال دیا ہے اور اب ایک ترکیب رہ جاتی ہے میرے پاس۔''

''کیا......؟''

''میں اس وکیل کو اغواء کرالوں گا، میرے پاس آدمی موجود ہیں، اسے کسی ایسی جگہ لے جاؤں گا جہاں اس کے ہاتھ، پاؤں توڑے جاسکیں، میں اس سے تمام معلومات حاصل کرلوں گا، آپ بے فکر رہیں۔''

''اور میرا دل چاہتا ہے کہ میں اپنا سر پھوڑ لوں۔'' یوسف حمید نے کہا اور ہاشم چونک کر انہیں دیکھنے لگا۔ ''کیوں ماموں جان......؟''

''بے وقوف آدمی، ایسی صورت میں اگر وکیل غائب ہوگیا اور تم نے اسے کوئی نقصان پہنچا دیا تو کوئی تمہیں نہیں پوچھے گا، گردن پھنسے گی میری، بن موت مارا جاؤں گا، دیکھو ہاشم، میں تم سے ایک بات صاف کہے دیتا ہوں، نادیہ چلی گئی، وہ زندہ ہے، اگر وہ خوش ہے تو میں یہ نہیں کہتا کہ وہ جہاں بھی ہے، خوش رہے، میں ایک منتقم مزاج انسان ہوں، مجھے جو نقصان پہنچا ہے، اس کی تلافی میں ضرور کروں گا، میں نادیہ کے لئے مرا نہیں جارہا، بس اتنا جان لو، میں اسے اور مسعود کو نقصان پہنچا کر اپنی انا کی تسکین کرنا چاہتا ہوں۔''

''اس کا ذریعہ صرف اور صرف میں بنوں گا، میں ایک اور درخواست کررہا ہوں آپ سے۔''

''میری بات سنو، وکیل وغیرہ پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش مت کرنا۔''

''جو کچھ کروں گا، آپ کی مرضی سے ہی کروں گا، اپنی مرضی سے کچھ بھی نہیں کروں گا۔''

''ہاں ایسا ہی ہونا چاہئے، دوسری بات کیا کہہ رہے تھے؟''

''ماموں جان! ایک شبہ ہے مجھے، میں انتہائی معذرت کے ساتھ آپ سے یہ بات کہنا چاہتا ہوں کہ آخر ان لوگوں نے فلیٹ کیوں چھوڑ دیا، ایک دم سے، وہ میرے چنگل میں آتے آتے کیسے نکل گئے؟''

''مطلب......؟''

''مطلب یہ کہ شمائل...... میرا خیال ہے، ظاہر ہے دونوں بہنیں ہیں، شمائل ساری حقیقتوں سے آگاہ ہے، اگر آپ اجازت دیں تو میں اس کا موبائل فون چرا لوں یا اس سے چھین لوں، کوئی ایسا عمل کروں میں جس سے شمائل کا موبائل میرے ہاتھ آجائے، یقینی طور پر اس کے موبائل میں نادیہ کا نمبر ہوگا، اس نمبر سے میں نادیہ کو ٹریس کرلوں گا بلکہ شمائل کا موبائل اپنے قبضے میں کرنے کے بعد میں کسی لڑکی سے اسے فون کراؤں گا تاکہ یہ بات کنفرم ہوجائے کہ وہ فون نادیہ کے پاس ہی ہے، ہوسکا تو وکیل کا لہجہ اختیار کرکے بھی میں اس سے بات کروں گا، ماموں جان، ہاشم کو اس قدر ناکارہ نہ سمجھیں، میں نے جو وعدہ کیا ہے آپ سے، اس کی تکمیل میری زندگی کی مانند ہے۔''

''جاؤ دیکھو میں صرف ایک بات جانتا ہوں، مسعود اور نادیہ کو ایک لمحے کا سکون نہیں ملنا چاہئے اور اگر انہیں زندگی سے بھی محروم کرنا پڑے تو کردو، میں نادیہ کے لئے بھی یہی کہتا ہوں جو چیز میرے لئے کارآمد نہیں پھر مجھے اس کی ضرورت نہیں ہوتی۔''

''میں سمجھتا ہوں ماموں جان!''

''ٹھیک ہے جاؤ۔'' یوسف حمید نے کہا اور ہاشم باہر نکل آیا لیکن دونوں ہی بے وقوف تھے۔ اگر انہیں شمائل پر شبہ تھا تو اتنی آزادی سے ہاشم کو یہ بات یوسف حمید سے نہیں کہنی چاہئے تھی، کیونکہ اس وقت بھی شمائل اپنی اسی مخصوص جگہ موجود ان دونوں کی باتیں سن رہی تھی۔ اس کے بعد اسے جو کرنا تھا، اس نے وہی کیا۔ سب سے پہلے اس نے نادیہ اور مسعود کے نمبر اپنے موبائل سے ڈیلیٹ کردیئے۔ یہ دونوں نمبر اسے زبانی یاد تھے اور پھر نفرت بھری آواز میں بولی۔ ''دیکھوں گی میں تم دونوں کو، وہ میری بہن ہے اور میری بہن کو نقصان پہنچانا اتنا آسان نہیں ہوگا۔''

بے شک شمائل کے مسئلے میں ہاشم دھوکا کھا گیا تھا لیکن خود اس نے ایک بڑا کام کرلیا تھا۔ اس وقت یوسف حمید سے اس کی جو باتیں ہوئی تھیں، وہ اس کی جیب میں رکھے ہوئے ایک چھوٹے سے لیکن انتہائی حساس اور طاقتور ٹیپ ریکارڈر پر ریکارڈ ہوچکی تھیں۔ اپنے کمرے میں جاکر اس نے دروازہ بند کیا اور ٹیپ ریکارڈر کو جیب سے نکال لیا اور پھر اس کی اور ہاشم صاحب کی باتیں فضا میں نشر ہونے لگیں۔ ہاشم کے ہونٹوں پر ایک شیطانی مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔ اس نے آہستہ سے کہا۔ ''ماموں جان! کاش آپ مجھے بیٹا سمجھ لیتے لیکن دنیا ہی ٹیڑھی ہے میں کیا کرسکتا ہوں۔''

☆......☆......☆

سارا سفر خوف کے عالم میں کٹا تھا حالانکہ فراز صدیقی نے یہ اطمینان دلایا تھا کہ ہاشم انہیں دیکھ نہیں سکا ہے لیکن اس کے باوجود وہ خوف زدہ رہی تھی۔ مسعود اسے بار بار یہ احساس دلاتا رہا تھا کہ وہ اس قدر پریشان نہ ہو، ہاشم کوئی بھوت نہیں ہے جو دور رہ کر انہیں نقصان پہنچا دے گا، اگر وہ کوئی ایسی کوشش کرے گا تو مسعود کے بھی ہاتھ، پاؤں ہیں۔

بہرحال وہ مطلوبہ جگہ پہنچ گئے تھے۔ فراز صدیقی واقعی ان کے لئے فرشتہ ثابت ہوئے تھے۔ انہوں نے جو کچھ کہا تھا، وہ کر دکھایا تھا۔ فیروز نامی شخص نے ان کا استقبال کیا، وہ ایک تیز طرار آدمی معلوم ہوتا تھا، اچھی خاصی حیثیت کا مالک تھا، انہیں اپنے گھر لے گیا، چار پانچ دن تک ان کی اچھی خاصی خاطر مدارات کی اور انہیں دلاسے دیتا رہا پھر اس نے کہا۔ ''مسعود صاحب! میں نے ایک فرم میں آپ کے لئے ملازمت کا بندوبست کردیا ہے، یہ فرم میرے سسر کی ہے، آپ وہاں کلرک کی حیثیت سے کام کریں گے اور ایک بات آپ سے کہہ دوں، اگر کہیں آپ کو کوئی اچھی نوکری ملے تو سب سے پہلی کوشش یہی کریں۔ اس کے علاوہ یہاں ایک علاقہ ہے جہاں گورنمنٹ کے کوارٹرز ہیں بعض لوگ جو ان کوارٹروں میں رہنا پسند نہیں کرتے، وہ یہ کوارٹر کرائے پر اٹھا دیا کرتے ہیں، ایسا ایک کوارٹر میرے علم میں ہے، آپ ایک نگاہ ڈال لیجئے، میرے خیال میں وہ رہائش گاہ آپ کو بری نہیں لگے گی، اگر آپ اس سے بہتر جگہ افورڈ کرسکتے ہیں تو اس کوارٹر کو چھوڑ دیں۔''

''فیروز صاحب! حقیقت یہ ہے کہ آپ ہمارے لئے فرشتہ ثابت ہوئے ہیں، اللہ تعالیٰ آپ کو خوش رکھے۔''

پھر وہ نوکری بھی اسے مل گئی اور کوارٹر بھی حاصل ہوگیا۔ اندھا کیا چاہے دو آنکھیں...... زندگی کا آغاز ہوگیا، تھوڑی تھوڑی ضرورت کی چیزیں اکٹھا کرلی گئیں اور پھر خوشیوں کا طوفان آگیا، ظاہر ہے دو دل یکجا ہوگئے تھے، کچھ پانا اور کچھ کھونا تو پڑتا ہی ہے، چنانچہ زندگی گزرنے لگی۔

نادیہ کو کبھی کبھی گھر یاد آتا تھا۔ تقریباً ایک یا ڈیڑھ مہینے تک تو شمائل سے بھی رابطہ نہیں قائم ہوسکا، شمائل محتاط تھی، پھر اس نے ایک دن کسی نئے نمبر سے نادیہ کو فون کیا اور نادیہ کو جب اس بات کا اطمینان ہوگیا کہ وہ شمائل ہے تو اس نے بے صبری سے گھر کے حالات پوچھے۔

''ظاہر ہے نادیہ! حالات اچھے تو نہیں ہوسکتے، میں تمہیں ایک بات سے خاص طور سے آگاہ کرنا چاہتی ہوں، وہ یہ کہ ہاشم مسلسل تمہاری تلاش میں سرگرداں ہے، وہ تو خدا کا شکر ہے کہ میرے پاس فراز صدیقی کا فون نمبر نکل آیا اور میں نے انہیں ساری تفصیل بتادی، اصل میں ہاشم نے اپنا ٹارگٹ فراز صدیقی کو ہی بنا رکھا تھا اور اب بھی وہ ان کے پیچھے لگا ہوا ہے، اس کا خیال ہے کہ فراز صدیقی تمہارے پتے کو اچھی طرح جانتے ہیں ویسے میں نے اسے ڈیڈی سے باتیں کرتے ہوئے سنا ہے، اس کا خیال ہے کہ تم لوگ اسی شہر میں کہیں روپوش ہو اور وہ آخرکار ایک نہ ایک دن تم لوگوں کو کھوج کر ڈیڈی کے سامنے پیش کردے گا، اب تم یہ بتاؤ کہ کیسی گزر رہی ہے؟''

''بہت اچھی...... میرے لئے دعائیں کرتی رہنا شمائل! کاش خدا تمہیں کسی ایسے مرحلے سے دوچار نہ کرے۔''

''آمین۔'' شمائل نے کہا، پھر اس کے بعد شمائل سے رابطے ہوتے رہے۔ شمائل بہت چالاک تھی، اس نے اپنے لئے سم الگ کرلی تھی اور جب وہ نادیہ سے بات کرتی تو وہی نئی سم استعمال کرتی اور گفتگو کے بعد وہ سم موبائل سے نکال لیتی۔

ادھر یوسف حمید بظاہر اس صدمے کو سہہ گئے تھے لیکن اندر ہی اندر بہت زخمی ہوچکے تھے۔ زاہدہ بیگم سے اکثر ان کی بات ہوتی رہتی تھی۔ ایک دن کہنے لگے۔ ''باجی...... بہت بری ہے یہ دنیا، کس طرح یہ معصوم بچے روتے بلکتے پیدا ہوتے ہیں اور ماں، باپ ان کے لئے راتیں قربان کردیتے ہیں اور اس کے بعد یہ اپنی ذات کی تسکین کے لئے، اپنی انا کے لئے اپنی معصومیت کے وہ سارے دن بھلا دیتے ہیں جب یہ صرف ماں، باپ کے رحم و کرم پر ہوا کرتے ہیں۔ باجی! ایسی ہے دنیا مگر ایک بات اور ہے، یہ دنیا ہم سے ہار نہیں مان سکتی تو ہم کیوں اس دنیا سے ہار مانیں باجی...... میں بہت محبت کرتا ہوں اپنی بچیوں سے لیکن نادیہ نے جو کچھ کیا ہے، اس نے میرے اندر ایک ایسی چیز توڑ دی ہے جسے میں کوئی نام نہیں دے سکتا، میں نے بار بار رات کی تنہائیوں میں یہ سوچا ہے کہ بچی تھی میری، چاند سے کھیلنا چاہتی تھی، چاند آسمان سے توڑ کر تو نہیں لایا جاسکتا، وہ قلاش اسے کیا دے سکتا تھا باجی! اس طرح کے نوجوانوں کی تعداد بے پناہ ہے جو آسان ذرائع سے مستقبل بنانا چاہتے ہیں، بہت سے لوگ ان کا شکار ہو بھی جاتے ہیں، باجی اگر اپنے بازوؤں کی کمائی سے کوئی چار پیسے کما کر دکھائے تو یہ سوچا جاسکتا ہے کہ کم از کم اس کے اندر کمانے کی حس تو موجود ہے، وہ بے حس جو صرف یہ چاہتے ہیں کہ سسرال سے انہیں دولت مل جائے اور وہ زندگی کو خوشگوار بنالیں، وہ کبھی اچھے شوہر ثابت نہیں ہوتے بہرحال نادیہ چلی گئی، برا کیا اس نے......!''

''تم چاہو تو اپنے دل میں نرم گوشہ پیدا کرلو، اسے بلالو اپنے پاس، وہ آجائے گی۔''

''نہیں باجی! میں نے کہا نا آپ سے کہ دنیا سے ہار نہیں مان رہا میں اور شاید کبھی ہار نہ مانوں، کیا سمجھیں باجی......؟''

زاہدہ بیگم خاموش ہوجاتی تھیں۔

ایک دن ہاشم ان سے کہنے لگا۔ ''اماں! ماموں سے بات کرو میرے لئے، تم کہتی ہو نا کہ تم ان کے لئے ماں کی حیثیت رکھتی ہو، میرے لئے کیا حیثیت رکھتی ہو تم بتانا پسند کروگی؟''

''ہاشم......! دیکھ وہ بات مت کر مجھ سے کہ مجھے یہ کہنا پڑے کہ دنیا واقعی بہت بری ہے، سب اپنے بارے میں سوچتے ہیں۔''

''یہی تو میں کہہ رہا ہوں تم سے اماں کہ دنیا صرف اپنے بارے میں سوچتی ہے، آپ اپنی انا کو قائم رکھنا چاہتی ہیں، اپنے بیٹے کے لئے آپ کچھ کرنے پر آمادہ نہیں ہیں۔''

''وہ کام نہیں کرسکتی میں جو یوسف نہیں چاہتے۔''

''یعنی میرے لئے ان سے کوئی بات نہیں کرسکتیں؟''

''یوسف دنیا کو بہت اچھی طرح جانتے ہیں، کروڑوں روپے ایسے ہی نہیں کما لئے انہوں نے، اگر تو اپنے آپ کو اس قابل ثابت کردیتا تو ہوسکتا ہے یوسف خود مجھ سے یہ بات کہتے کہ زاہدہ باجی اپنے گھر میں بھی تو بچہ ہے۔''

''کہیں گے اماں! وہ یہ بات کہیں گے، میرا نام بھی ہاشم ہے اور ایک بات سن لو، ان دونوں کو میں تلاش کرکے رہوں گا۔''

مہینے، سالوں میں تبدیل ہونے لگے۔ سوا سال گزر گیا، اس دوران شمائل اور نادیہ کے بہت کم رابطے ہوئے تھے پھر نادیہ نے شمائل کو ایک خوشخبری سنائی۔

''شمائل تو خالہ بن گئی ہے، ہم نے اس کا نام فاخر رکھا ہے۔''

شمائل واقعی خوشی سے پاگل ہوگئی تھی۔ ''کیسا ہے نادیہ تمہارا بیٹا...... ہائے کتنی بدنصیب ہوں میں کہ اپنے بھانجے کو نہیں دیکھ سکتی، ہائے نادیہ تو مجھے یہ بات نہ بتاتی تو میں تیرا یہ احسان مانتی، کتنا دل تڑپ رہا ہے میرا فاخر کو دیکھنے کے لئے، نادیہ کیسا ہے وہ، مسعود بھائی کی شکل پر ہی ہوگا، مسعود بھائی تو بہت پیارے ہیں۔''

''ہاں انہی کی کاپی ہے لیکن خیر اللہ مالک ہے، اللہ تعالیٰ ہم دونوں کو کبھی نہ کبھی پھر سے یکجا کردے گا۔''

''آمین، اسے بہت پیار کرنا، سمجھ رہی ہے نا تو، بہت پیار کرنا، بس اتنا پیار کرنا کہ میری آرزوئیں پوری ہوجائیں۔'' شمائل پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ نادیہ بھی ادھر خاموش تھی۔

بہرحال یہ سلسلہ چلتا رہا۔ یوسف صاحب نے ہاشم کو بالکل ہی نکما قرار دے دیا۔ انہوں نے کہا تھا۔

''ہاشم! تم اس دنیا میں کچھ نہیں کرسکتے۔''

''آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں ماموں جان! واقعی میں اس دنیا میں ابھی تک کچھ نہیں کرسکا لیکن ایک بات کا مجھ سے وعدہ کیجئے اگر میں نے واقعی دنیا میں کچھ کر دکھایا تو پھر......!'' ہاشم خاموش ہوگیا۔

یوسف حمید نے اس کی بات پر غور نہیں کیا تھا۔ ویسے اندر سے وہ کافی کھوکھلے ہوگئے تھے، نادیہ بہت یاد آتی تھی اور اکثر وہ اسے یاد کرکے بیمار ہوجاتے تھے۔ اس رات بھی نادیہ انہیں بہت یاد آرہی تھی، اس کی کچھ چیزیں نگاہوں کے سامنے آگئی تھیں، جن کا تعلق اس کے بچپن سے تھا اور اس احساس نے ان پر شدت کے ساتھ تاثر قائم کیا اور رات کو تقریباً ڈیڑھ بجے ان کی چیخیں سن کر زاہدہ بیگم دوڑ کر ان کے کمرے میں چلی گئیں، پسینے میں نہائے ہوئے تھے، دل پر ہاتھ رکھے ہوئے تھے، دل کا دورہ پڑا تھا۔

زاہدہ بیگم نے آسمان سر پر اٹھالیا اور فوری طور پر تمام ترکارروائیاں کرکے یوسف حمید کو اسپتال پہنچایا گیا اور وہاں انہیں سی سی یو میں منتقل کردیا گیا۔ ہاشم بھی موجود تھا، شمائل اور زاہدہ بیگم بھی...... اور دوسری صبح لاتعداد افراد جمع ہوگئے۔

بہتر گھنٹے تک یوسف حمید کی حالت بے حد خراب رہی۔ وہ زندگی اور موت کے درمیان لٹکے ہوئے تھے۔ شمائل پر غشی طاری تھی۔ وہ ہوش و حواس کھوچکی تھی۔ زاہدہ بیگم کی کیفیت بھی مختلف نہیں تھی، بالکل ایک ماں ہی کا سا انداز تھا ان کا اور وہ بیٹھی ہوئی سوچ رہی تھیں کہ کیا یوسف حمید کی کہانی اس طرح ختم ہوجائے گی۔ بہتر گھنٹے کے بعد انہیں یہ خبر ملی کہ یوسف حمید کی حالت خطرے سے باہر ہے۔ ادھر ہاشم انتہائی چالاکی سے شمائل پر نگاہ رکھے ہوئے تھا۔ اسے نجانے کیوں یہ یقین تھا کہ شمائل کے نادیہ سے رابطے ہیں اور وہ ضرور نادیہ کو ٹیلیفون کرے گی، اس وقت اسے پکڑا جاسکتا ہے لیکن شمائل بھی ہاشم سے بخوبی واقف تھی۔ دونوں بہنیں انتہائی چالاک تھیں۔ نادیہ نے اپنے بارے میں جو انتظامات کئے تھے، وہ بڑے ذہانت آمیز تھے اور اب شمائل بھی بہت محتاط تھی۔ ایک بہترین موقع تلاش کرکے اس نے آخرکار نادیہ کو اس سلسلے میں اطلاع دے ہی دی۔ نادیہ یہ خبر سن کر بالکل بے اختیار ہوگئی، وہ زار و قطار رونے لگی تھی، بمشکل تمام اس نے کہا۔ ''نہیں شمائل! جتنا صبر میں نے کرلیا، اتنا کافی ہے، شمائل...... میں آرہی ہوں، میں ابو کے پاس آرہی ہوں، میرے ابو اتنے بیمار ہیں اور میں......! میں آرہی ہوں شمائل! نتیجہ کچھ بھی ہو، جو ہوگا دیکھا جائے گا، میں ان کے قدموں میں گر جاؤں گی، ان سے معافی مانگوں گی اور اس پر بھی ان کا دل نرم نہ ہوا تو جو ہوگا، دیکھا جائے گا۔''

''نادیہ، میں کیا کہوں تم سے، میرا فرض تھا کہ تمہیں اطلاع دے دوں، سو دے دی، باقی تم جس طرح مناسب سمجھو۔''

''میں آرہی ہوں شمائل!'' نادیہ سخت جذباتی ہوگئی تھی۔ اس نے مسعود سے کہا۔ مسعود جو بڑی مردانگی کے ساتھ اب تک سارے حالات سنبھالے ہوئے تھا۔ مردانہ وار بولا۔ ''ہاں نادیہ چلو، کیا ہوگا، کیا کریں گے، وہ بیچارے خود بیمار ہوگئے ہیں، بس ان پر کوئی برا اثر نہ پڑے۔''

''میں انہیں دور سے دیکھ لوں گی، مگر میں اپنے ڈیڈی کے پاس جاؤں گی ضرور۔''

مسعود نے انتظامات کئے اور اس کے بعد وہ ٹرین میں بیٹھ کر چل پڑے۔

اسپتال میں اس وقت سبھی موجود تھے جب مسعود اور نادیہ اپنے بچے فاخر کے ساتھ اسپتال پہنچے۔ ہاشم تو انہیں دیکھ کر غصے سے آگ بگولا ہوگیا تھا۔ نادیہ بے اختیار شمائل کے پاس پہنچ گئی۔

''کہاں ہیں شمائل، ڈیڈی کہاں ہیں؟''

''ابھی انہیں کمرے میں منتقل نہیں کیا گیا لیکن ڈاکٹر ان کی حالت اب تسلی بخش بتاتے ہیں۔ شاید کچھ دیر بعد وہ انہیں کمرے میں منتقل کردیں، ہم سب لوگ ان سے مل چکے ہیں۔''

''ایک منٹ، تمہیں پتہ ہے کہ انہیں دل کا دورہ پڑا ہے، ہم نہیں جانتے کہ تمہیں دیکھ کر ان پر کیا بیتے گی، دیکھو تم ان کے سامنے بالکل مت جانا، تم نے......!'' ہاشم نے بدتمیزی سے مسعود کے سینے پر ہاتھ رکھ کر اسے پیچھے دھکیلتے ہوئے کہا اور مسعود کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔

''سنو! نادیہ کے بھائی ہو تم...... معاف کئے دیتا ہوں ورنہ جس طرح تم نے میرے سینے پر ہاتھ رکھا ہے تو یوسف صاحب تو خیر بعد میں کمرے میں منتقل ہوں گے، میں تمہیں بستر پر ضرور پہنچا دیتا، پیچھے ہٹ جاؤ۔'' مسعود غرایا اور زاہدہ بیگم ایک دم قریب آگئیں۔

''ہاشم! کیا بدتمیزی کررہا ہے تو، پیچھے ہٹ، ورنہ اتنی زور کا تھپڑ لگاؤں گی کہ یاد رکھے گا زندگی بھر۔''

’’میں کہتی ہوں پیچھے ہٹ جا۔‘‘ زاہدہ بیگم نے غراتی ہوئی آواز میں کہا اور ہاشم خونی نگاہوں سے مسعود کو دیکھتا ہوا پیچھے ہٹ گیا۔

نادیہ اور شمائل پاس ہی کھڑی یہ سارا منظر دیکھ رہی تھیں۔ نادیہ نے کہا۔ ’’آؤ مسعود ہم اس کمرے کے پاس چلتے ہیں جہاں ڈیڈی منتقل ہونے والے ہیں۔ شمائل! کیا کمرہ لے لیا گیا ہے؟‘‘

’’ہاں کمرہ تو پہلے ہی لے لیا گیا تھا چونکہ ہم لوگ راتوں کو یہیں رہتے ہیں۔‘‘

کچھ دیر کے بعد یوسف حمید کو سی سی یو سے کمرے میں منتقل کر دیا گیا، کچھ ڈاکٹری ہدایت کے ساتھ انہیں خاصی آزادی دے دی گئی تھی۔ بڑی ہمت کر کے نادیہ، یوسف حمید کے پاس پہنچی۔ اسے دیکھ کر یوسف حمید کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئی تھیں، وہ دیر تک نادیہ کو دیکھتے رہے پھر انہوں نے آنکھیں بند کر لیں۔ نادیہ ان کے پیروں کے پاس بیٹھ گئی، اس نے یوسف حمید کے دونوں پاؤں پکڑ لئے اور انہیں اپنی آنکھوں سے رگڑنے لگی۔ یوسف حمید نے پیروں کو ہلکی سی جنبش دی تھی۔

نادیہ آہستہ سے بولی۔ ’’ڈیڈی! معافی مانگنے کی ہمت نہیں پڑ رہی ہے، ہو سکے تو معاف کر دیں۔‘‘ یوسف حمید نے آنکھیں کھول کر بیٹی کو دیکھا۔ دیکھتے رہے اور اس کے بعد دوبارہ آنکھیں بند کر لیں لیکن ان پر کوئی برے اثرات مرتب نہیں ہوئے تھے۔

نادیہ ایک طرف جا بیٹھی۔ ڈاکٹروں نے یوسف حمید کا جائزہ لیا اور ان کی حالت کو مزید تسلی بخش قرار دیا۔ اس کا مطلب تھا کہ نادیہ کو دیکھ کر ان پر کوئی بُرے اثرات مرتب نہیں ہوئے تھے۔ ہاشم بھی موجود تھا اور دور سے یہ سارے مناظر دیکھ رہا تھا۔ یوسف حمید کے انداز سے پتہ نہیں چلتا تھا کہ ان کی ذہنی کیفیت کیا ہے۔

بہرحال وقت گزرنے لگا۔ پہلا دن، دوسرا دن، تیسرا دن اور پھر چوتھا دن بھی گزر گیا۔ یوسف حمید بہت بہتر ہو گئے تھے لیکن نادیہ جب بھی ان کے سامنے جاتی، وہ آنکھیں بند کر لیتے تھے، وہ نادیہ سے اچھی طرح نہیں مل رہے تھے۔

بہرحال نادیہ گھر آ گئی۔ زاہدہ بیگم، مسعود کی خاص طور سے نگرانی کر رہی تھیں اور اس کے ساتھ بہت اچھا سلوک کر رہی تھیں۔ شمائل بھی بہنوئی پر نثار ہو رہی تھی، مسعود اپنی کسی کیفیت کا اظہار نہیں کر رہا تھا۔

ادھر زاہدہ بیگم نے ہاشم سے کہا تھا۔ ’’اگر اسے ذرہ برابر بھی نقصان پہنچا ہاشم تو خدا کی قسم ماں بیٹے کا رشتہ ختم کر دوں گی میں، جو کچھ میں تیرے ساتھ سلوک کروں گی، وہ تو سوچ بھی نہیں سکے گا۔‘‘

’’میرے جوتے کو غرض پڑی ہے اماں جو میں یہ سب کچھ کروں، پاگل نہیں ہوں میں لیکن مجھے اس کی صورت سے نفرت ہے۔‘‘

کچھ اور وقت گزرا اور اس کے بعد یوسف حمید کی اسپتال سے چھٹی ہو گئی۔ وہ گھر منتقل ہو گئے، وہ بہتر حالت میں تھے البتہ انہوں نے ایک بار بھی نادیہ کو اپنے پاس نہیں بلایا تھا۔ زاہدہ بیگم نے ان سے کہا۔ ’’یوسف! کیا کہتے ہو نادیہ کے بارے میں، نکال دیں اسے گھر سے......؟‘‘

’’میں جانتا تھا باجی! آپ مجھ سے یہ سوال ضرور کریں گی، میں اس سے نہیں ملنا چاہتا، تمہیں آپ......! میں اس سے نہیں ملنا چاہتا۔‘‘ نادیہ اس وقت یوسف حمید سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھی۔ وہ آگے بڑھی اور اس نے اپنے انتہائی خوبصورت بچے کو یوسف صاحب کے پیروں میں ڈال دیا۔

’’شاید یہ میری مدد کر سکے۔‘‘ وہ لرزتی ہوئی آواز میں بولی لیکن یوسف حمید نے بچے سے کسی رغبت کا اظہار کیا اور نہ ہی نادیہ کے الفاظ کا کوئی جواب دیا۔

بہرحال یہ سارا کھیل چل رہا تھا نادیہ، شمائل کے ساتھ مل کر زار و قطار روتی تھی۔

’’ابو بہت سخت دل ہیں شمائل، بہت سخت دل...... خدا کرے ان کا دل سخت ہی رہے، اسے اور کوئی تکلیف نہ پہنچے...... انہوں نے فاخر کو بھی معاف نہیں کیا۔‘‘

مسعود نے خاموشی اختیار کر رکھی تھی، ہاشم بھی کافی فاصلے پر رہتا تھا۔ بظاہر وہ بالکل پرسکون تھا۔ مسعود نے کوئی ایک ڈیڑھ ہفتے یہاں قیام کرنے کے بعد کہا۔ ’’نادیہ! مجھے اپنی نوکری پر واپس جانا ہے، کیا کہتی ہو، تم چلو گی میرے ساتھ واپس......؟‘‘

’’نہیں، مسعود، مجھے یقین ہے کہ ڈیڈی مجھے معاف کر دیں گے، میں جانتی ہوں کہ تمہارا واپس جانا بہت ضروری ہے، میں اپنے گھر میں ہوں، اب مجھے کوئی کیا نقصان پہنچائے گا، میں آخر کار ڈیڈی کو منا لوں گی۔‘‘

’’میری دلی دعا ہے کہ تمہارے ڈیڈی تمہیں گلے سے لگا لیں، میں اپنی روانگی کا بندوبست کئے لیتا ہوں۔‘‘

مسعود سب سے مل کر واپس چل پڑا لیکن اسے نہیں معلوم تھا کہ ہاشم وہیں سے اس کے پیچھے لگ گیا ہے۔ مسعود ریلوے اسٹیشن پہنچا، اس نے ٹکٹ خریدا اور ٹرین میں بیٹھ گیا لیکن اسے نہیں معلوم تھا کہ دوسرے ڈبے میں ہاشم بھی موجود ہے، ہاشم نے موبائل پر فون کر کے اپنے ایک دوست کو بھی طلب کر لیا تھا۔ یہ دوست جرائم پیشہ تھا۔ ہاشم نے اسے بتایا کہ اس بار ایک بہت مشکل کام آ پڑا ہے، جس میں اسے اس کا ساتھ دینا پڑے گا۔ دوست جس کا نام جگنو تھا، تیار ہو گیا۔ اس نے کہا کہ اگر کسی کو قتل بھی کرنا پڑے تو وہ گریز نہیں کرے گا۔ ہاشم نے مسکراتے ہوئے اس سے کہا تھا کہ کام کسی کی ہلاکت کا ہی ہے۔

بہرحال مسعود اپنی منزل پر پہنچ گیا، دونوں خطرناک آدمی اس کا تعاقب کرتے ہوئے اس کے گھر تک گئے تھے پھر رات کے تقریباً بارہ بجے ہاشم، مسعود کے گھر پہنچ گیا، چھوٹا سا گھر تھا، پاس پڑوس میں اس وقت مکمل خاموشی طاری تھی۔ ہاشم اپنے دوست کے ساتھ دروازے پر پہنچا اور اس نے بیل بجائی۔ مسعود دروازہ کھولنے آیا، وہ کسی قدر نیند کی کیفیت میں تھا، ایک لمحے تک وہ ہاشم کو نہیں پہچان سکا کیونکہ ہاشم نیم تاریکی میں کھڑا ہوا تھا لیکن پھر دوسرے لمحے اس کے حلق سے ایک دلخراش چیخ نکل گئی، کیونکہ ہاشم کے ہاتھ میں دبا ہوا خنجر اس کے دل کے مقام پر گہرا گھاؤ لگانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی ہاشم کے دوست نے پے در پے بڑی چھری کے کئی وار مسعود پر کئے، مسعود نے اندر بھاگنے کی کوشش کی تو یہ دونوں بھی اس کے پیچھے اندر ہی داخل ہو گئے اور اس کے بعد انہوں نے پے در پے چھریوں کے بے شمار وار کر کے آخر کار مسعود کو زندگی سے محروم کر دیا۔

مسعود اپنی رہائش گاہ کے کھلے حصے ہی میں زمین پر گرا پڑا تھا۔ ہاشم کا دوست واپس پلٹا اور اس نے دروازہ اندر سے بند کر دیا۔ ان لوگوں نے صورتحال کے لئے تمام مناسب بندوبست کر لئے تھے اور اس وقت ان کے بدن پر سیلوفین کے لباس موجود تھے جو خون سے رنگین ہو گئے تھے۔ انہوں نے بڑے اطمینان سے وہ لباس اتارے اور انہیں بڑی احتیاط کے ساتھ لپیٹ لیا، کوئی ایسا نشان نہیں چھوڑا تھا انہوں نے جس سے ان کی نشاندہی ہو سکے اور اس کے بعد وہ پوری احتیاط کے ساتھ اپنے بارے میں ہر ثبوت مٹاتے ہوئے باہر نکل آئے اور رات کی تاریکی میں گم ہو گئے۔

☆......☆......☆

ادھر نادیہ کے ساتھ سبھی لوگ خوش تھے۔ زاہدہ بیگم تو اس کے بچے کو کلیجے سے لگائے ہوئے تھیں اور انہوں نے بڑے خلوص سے دعا مانگی تھی کہ الٰہی اس کے ماں، باپ اس کے سرپرست ہوں، میں تو ہوں ہی منحوس...... بس مجھے اپنے آپ سے خوف آتا ہے۔ بہرطور گھر کے تمام لوگ خوش تھے اور یوسف حمید کے بارے میں کوئی اندازہ نہیں ہوتا تھا کہ ان کی کیا کیفیت ہے۔ بہرحال انہوں نے نادیہ سے ابھی ایک لفظ بھی نہیں کہا تھا۔ اسے دیکھ کر وہ ایک دم سے عجیب سے ہو جاتے تھے اور یہ اندازہ ہوتا تھا کہ وہ نادیہ کی یہاں آمد سے خوش نہیں ہیں، فاخر کو بھی انہوں نے ایک بار بھی نگاہ بھر کر نہیں دیکھا تھا، حالانکہ زاہدہ بیگم بار بار فاخر کو لے کر ان کے سامنے آتی تھیں اور کوشش کرتی تھیں کہ وہ فاخر پر توجہ دیں۔ ایک آدھ بار یوسف حمید صاحب نے کہا تھا۔ ’’باجی! یہ سب کچھ نہ کریں پلیز، میں آپ کا بہت احترام کرتا ہوں لیکن آپ میرے سینے پر زخم لگا رہی ہیں، آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ مجھے زخموں سے چور نہ کریں اور اس سے کہیں کہ وہ یہاں سے چلی جائے۔‘‘

زاہدہ بیگم ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں سے یوسف حمید کو دیکھتی ہوئی واپس آ جاتی تھیں۔ بہرحال یوسف کے ذہن پر کوئی برا اثر بھی نہیں ڈالنا چاہتی تھیں، جبکہ یہ حقیقت تھی کہ یوسف حمید ان دنوں بڑی کشمکش کا شکار تھے۔ وہ سوچتے تھے کہ انہیں کیا کرنا چاہئے پھر تیسرے یا چوتھے دن صبح کا وقت تھا جب پولیس کے کچھ افراد یوسف حمید کے بنگلے پہنچ گئے۔ انسپکٹر نے ہاشم سے کہا جو واپس آ چکا تھا۔

’’مسز مسعود یہیں رہتی ہیں؟‘‘

’’جی خیریت، کیا بات ہے فرمائیے؟‘‘

’’ان سے ملنا ہے۔‘‘

’’آپ آئیے میں اطلاع کرتا ہوں۔‘‘ اور یہ اطلاع اس نے سب کے سب انسپکٹر کے پاس پہنچ گئے۔

’’مسز مسعود آپ میں سے کون ہیں؟‘‘

’’میں ہوں، خیریت، بتائیے کیا بات ہے؟‘‘

’’میڈم! آپ کے لئے انتہائی افسوسناک خبر ہے، مسعود صاحب کو چار یا پانچ دن پہلے قتل کر دیا گیا ہے۔‘‘ انسپکٹر نے کہا۔

نادیہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھتی رہی اور اس کے بعد اچانک ہی تیورا کر نیچے گر پڑی۔ شمائل اور زاہدہ بیگم بھی چیخ پڑی تھیں۔ ہاشم نے بھی اداکاری کی تھی اور نادیہ کو زمین سے اٹھانے میں شمائل کی مدد کی تھی۔ انسپکٹر کو ڈرائنگ روم میں پہنچا دیا گیا۔ یوسف حمید بھی باہر نکل آئے تھے اور پھر مسعود کے قتل کی اطلاع سبھی کو ہو گئی۔ یوسف حمید ایک دم سے ساکت رہ گئے تھے، گھر میں کہرام مچ گیا تھا۔ ہاشم نے البتہ پولیس انسپکٹر کو پوری تفصیل بتائی اور کہا کہ چند روز پہلے مسعود اپنی بیگم کے ساتھ یہاں آیا تھا اور اس کے بعد واپس اپنی ڈیوٹی پر چلا گیا تھا۔ انسپکٹر ضابطے کی کارروائی کرنے لگا۔ ادھر ڈاکٹر کو بلا لیا گیا تھا جس نے نادیہ کو کئی طاقت کے انجکشن دیئے تھے، سبھی کی حالت بری ہو گئی تھی۔

پولیس انسپکٹر دوسرے شہر سے پولیس پارٹی کے ساتھ آیا تھا۔ اس نے پوری تفصیل سن کر رپورٹ ترتیب دی تھی لیکن کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکا تھا، اسے یوسف حمید کی حیثیت بھی معلوم ہو گئی تھی، اس وجہ سے کوئی تبصرہ بھی نہیں کر سکا تھا، البتہ اس نے سب سے یہی پوچھا تھا کہ کسی پر مسعود کے قتل کا شبہ تو نہیں ہے۔ اس کے لئے سب نے انکار کر دیا تھا۔

’’لاش پولیس اسپتال کے سردخانے میں محفوظ ہے، رسمی کارروائی کے بعد اسے آپ کے سپرد کر دیا جائے گا۔‘‘

’’میں آپ کے ساتھ چلتا ہوں انسپکٹر صاحب! لاش میں لے کر آؤں گا۔‘‘ ہاشم نے کہا۔ اور انتظامات کر کے چل پڑا۔ وہ جانتا تھا کہ اسے کیا کرنا ہے۔ انسپکٹر نے راستے میں اس سے دوستانہ انداز میں پوچھا تھا۔

’’برا نہ منائیں تو ایک سوال کروں؟‘‘

’’ضرور...... فرمائیے؟‘‘ ہاشم نے کہا۔

’’تفتیش کے دوران معلوم ہوا ہے کہ یوسف حمید کی صاحبزادی نے یہ شادی اپنی مرضی سے کی تھی۔‘‘

’’جی...... بالکل!‘‘

’’اور ان کے شوہر مسعود صاحب معمولی سی نوکری کر کے گزر بسر کر رہے تھے جبکہ یوسف حمید صاحب ارب پتی آدمی ہیں۔‘‘

’’جی...... یہ درست ہے۔‘‘

’’ظاہر ہے انہیں اس شادی سے اختلاف ہوگا؟‘‘

’’لازمی بات ہے۔‘‘ ہاشم نے کہا۔

’’کیا یہ اختلاف مسعود سائل کی موت کا سبب نہیں بنا ہوگا؟‘‘

’’آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں انسپکٹر صاحب! بیشک وہ اپنی بیٹی سے ناراض ہیں لیکن وہ اپنی بیٹی کو بیوہ کرنے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتے اور پھر اس شادی کو تقریباً پونے دو سال گزر چکے ہیں، اگر وہ ایسا ہی سوچتے تو پونے دو سال پہلے یہ عمل کر چکے ہوتے، آپ جانتے ہیں دولت سے سب کچھ ہو سکتا ہے، اتنا انتظار وہ کیوں کرتے۔‘‘ ہاشم نے دلیل پیش کی۔

’’ہاں یہ ایک مضبوط نکتہ ہے۔‘‘ انسپکٹر نے اعتراف کیا۔

’’اس کے علاوہ میرے ماموں جان ایک نیک نفس انسان ہیں، کسی کو نقصان پہنچانا ان کی سرشت میں ہی نہیں ہے، زندگی کا ریکارڈ بے داغ ہے، ہم لوگ ایسا سوچ بھی نہیں سکتے، اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ نادیہ نے اپنی مرضی سے شادی کر کے انہیں بہت دکھ دیا تھا جس کی وجہ سے وہ اندر ہی اندر گھلتے رہے ہیں، آپ نے دیکھا ہوگا کہ وہ اب بھی بیمار ہیں۔‘‘

انسپکٹر پرخیال انداز میں گردن ہلانے لگا تھا۔ بہرحال ہاشم کارروائیوں میں مصروف رہا۔ اس نے تمام ترعمل کر کے لاش حاصل کی، اسے باقاعدہ پیک کرایا اور پھر پرائیویٹ گاڑی کے ذریعے اسے لے کر اپنے شہر پہنچ گیا۔ اس کی ان کارروائیوں پر کسی نے کوئی اعتراض نہیں کیا تھا، لاش کی تدفین کے سلسلے میں بھی ہاشم نے یہ تمام کارروائیاں کی تھیں۔

نادیہ بدستور سکتے میں تھی۔ اس نے مسعود کا آخری دیدار بھی نہیں کیا تھا، بس وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے خلا کو گھورتی رہتی تھی، ذہن میں نجانے کیا کیا خیالات تھے۔ شمائل، فاخر کو سنبھالے ہوئے تھی اور بہن کے لئے سخت افسردہ تھی۔ اگر فاخر کی ذمے داری اس کے کندھوں پر نہ ہوتی تو شاید وہ بھی نادیہ ہی کی طرح ساکت ہو جاتی لیکن فاخر اس سے بہت ہل گیا تھا اور شمائل ہی کے پاس رہتا تھا۔

یوسف حمید بھی صاحب فراش تھے اور اس عالیشان کوٹھی پر بدترین سوگ طاری تھا۔ زاہدہ بیگم تھیں جو پورے گھر کی نگرانی کر رہی تھیں یا پھر ملازموں کی فوج...... تدفین ہو گئی اور ہاشم خود بھی افسردگی کا رنگ اختیار کر کے بیٹھ گیا۔ زاہدہ بیگم کو اپنے بیٹے پر کوئی شبہ نہیں تھا۔ ہاشم ماں کے سامنے بھی افسردگی کا اظہار ہی کرتا رہتا تھا، البتہ اس سلسلے میں اس نے کوئی بات نہیں کہی تھی۔ اس وقت بھی ہاشم، یوسف حمید کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ یوسف حمید اکثر خاموش ہی رہتے تھے۔ ہاشم نے ان سے کہا۔

’’ماموں جان! سنبھالئے خود کو کاروباری امور پر بھی آپ توجہ نہیں دے رہے، خود آپ نے مجھے کبھی اس قابل سمجھا نہیں کہ ایسے کسی آڑے وقت میں کچھ کر سکوں، تمام لوگوں کو معلوم ہے کہ میں آپ کا بھانجا ہوں، لیکن آپ یقین کیجئے ماموں جان اگر کبھی کسی دفتر میں جا کر اپنی حیثیت استعمال کرنے کی کوشش کرتا ہوں تو لوگ مذاق اڑانے والی نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہیں۔‘‘

’’کیا اس وقت یہ حالات ہیں کہ تم مجھ سے اس طرح کی کوئی شکایت کر سکو؟‘‘

’’معافی چاہتا ہوں ماموں جان! دراصل مجھ سے آپ کی یہ حالت دیکھی نہیں جاتی، میرے دل میں آپ کے لئے ایک باپ جیسا ہی جذبہ ہے مگر وہ کونسا ذریعہ ہو جسے میں اختیار کروں کہ آپ مجھے اپنا ہمدرد سمجھیں۔‘‘

’’تم میرے ہمدرد ہو، جو کچھ اس دوران تم نے کیا ہے، میں اس کا احساس کرتا ہوں، تم نے واقعی وہ فرض ادا کیا ہے جو میرا کوئی بیٹا ہی ادا کر سکتا تھا لیکن اس وقت میں ذہنی طور پر بہت منتشر ہوں، ایسی کوئی بات نہ کرو۔‘‘

’’آپ بالکل بے فکر رہیں ماموں جان! میں آپ کے حکم سے ذرہ برابر انحراف نہیں کروں گا۔‘‘ ہاشم نے نیازمندی سے کہا۔

یوسف حمید کے یہ الفاظ اسے بارش کا پہلا قطرہ محسوس ہوئے تھے، اگر یہ کاوش جاری رہی تو ہو سکتا ہے یوسف حمید اس کے حق میں بالکل ہی نرم ہو جائیں۔

کچھ اور وقت گزرا۔ شمائل زیادہ تر بہن کے پاس ہی بیٹھی رہتی تھی، اس وقت بھی فاخر رو رہا تھا، نادیہ کی ویران آنکھوں میں اچانک زندگی لوٹ آئی، اس نے شمائل کو مخاطب کیا۔ ’’شمائل! اسے خاموش کرو۔‘‘

بہت عرصے کے بعد نادیہ کی آواز ابھری تھی۔ شمائل نے چونک کر بہن کو دیکھا اور خوشی سے اچھل پڑی۔ نادیہ کا سکتہ ختم ہو گیا تھا، وہ بہن کے پاس پہنچ گئی، فاخر کو اس کی آغوش میں ڈال دیا اور روتے ہوئے بولی۔ ’’نادیہ! سنبھالو مسعود بھائی کی نشانی...... یہ آپ کے بغیر بلکتا ہی رہتا ہے۔ نادیہ! مسعود بھائی کی روح کو تکلیف ہوتی ہوگی، یہ آپ کا اکلوتا بچہ ہے۔‘‘

نادیہ بلک بلک کر رو پڑی۔ شمائل یہی چاہتی تھی اور ڈاکٹروں نے یہی کہا تھا کہ اگر اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ گئے تو وہ ٹھیک ہو جائے گی۔ شمائل خود بھی اس کے ساتھ رو رہی تھی یہاں تک کہ دل کا غبار نکل گیا، نادیہ آہستہ سے بولی۔

’’شمائل بہت اچھا تھا وہ، جس نے اسے برا سمجھا، اس نے بڑا ظلم کیا انسانیت پر، ڈیڈی اس سے مل کر تو دیکھتے۔ شمائل اتنی محنت کر رہا تھا وہ کہ تم سوچ نہیں سکتیں، کہتا تھا نادیہ مر کر بھی تمہیں وہ زندگی تو نہیں دے سکتا جس زندگی سے میں نے تمہیں نکال لیا ہے لیکن تم دیکھ لینا تمہاری اور تمہارے بچے کی ہر خواہش پوری کروں گا، یہی میری زندگی کا مقصد ہے، شمائل وہ میرے لئے نظمیں کہتا تھا، اشعار کہتا تھا، ایسے ایسے خوبصورت اشعار کہ کوئی سوچ بھی نہ سکے، وہ ان اشعار کو کاغذ پر منتقل نہیں ہونے دیتا تھا، کہتا تھا کہ جو چیز میری امانت ہے وہ اسے کاغذ کے حوالے نہیں کر سکتا۔ شمائل، برا کیا ان لوگوں نے بہت برا کیا، ڈیڈی نے اپنے دل سے اس کا کینہ نہیں نکالا اور آخر کار اسے مروا ہی دیا۔‘‘

شمائل نے چونک کر نادیہ کو دیکھا اور بولی۔ ’’نن...... نادیہ! کیا تمہارے خیال میں......؟‘‘

’’یار میرا خیال پوچھتی ہو، میرا خیال پوچھ رہی ہو تم، کیا کہوں، کیسے کہوں، کاش ڈیڈی ایک چھوٹا سا تحفہ مجھے دے دیتے، میں ان کے اس انعام کے ساتھ زندگی کی آخری سانس تک گزار دیتی۔‘‘

’’آئے نہیں وہ، یا آ گئے تھے؟‘‘

’’میں نے نہیں دیکھا باجی! میرے علم میں نہیں ہے۔‘‘

’’ذرا معلوم کرو، انہیں آنا تو چاہئے تھا، میں فراز صدیقی صاحب سے درخواست کروں گی کہ وہ میرے شوہر کی موت کی صحیح تحقیقات کرائیں۔‘‘

’’میں بات کرتی ہوں ان سے، اس دوران میری ان سے کبھی ملاقات نہیں ہوئی۔‘‘

فراز صدیقی کے بارے میں معلومات حاصل کی گئیں تو پتہ چلا کہ وہ سات مہینے سے ملک سے باہر ہیں اور ان کے بارے میں پتہ نہیں ہے کہ اس وقت وہ کہاں ہیں۔ دونوں بہنیں خاموش ہو گئی تھیں، نادیہ اکثر مسعود کے بارے میں بتاتی رہتی تھی کہ کس طرح انہوں نے زندگی کے یہ دن گزارے اور پھر ایک دن وہ دونوں بہنیں یوسف حمید کے کمرے کے سامنے سے گزر رہی تھیں کہ اندر سے ہاشم اور یوسف حمید کی باتیں کرنے کی آواز ابھری۔ یہ وہی جگہ تھی جہاں سے کئی بار شمائل نے یوسف حمید اور ہاشم کے درمیان ہونے والی گفتگو سنی تھی۔ اس وقت بھی دونوں کا لہجہ کچھ تیز تیز تھا۔

’’کیا بکواس کر رہے ہو تم، کیا بھونک رہے ہو، اپنی اوقات دیکھی ہے، نکّے زمانے بھر کے، تم اچھی طرح جانتے ہو کہ میں اپنی محنت سے کمائی ہوئی دولت کسی نکّے آدمی کے سپرد نہیں کر سکتا۔‘‘

’’دولت، دولت ماموں جان! دولت کے آگے پیچھے بھی کچھ ہوتا ہے، رشتے ناتے، محبتیں...... آپ نے بڑی بیٹی کے لئے کیا کر لیا، اس نے اپنی مرضی سے شادی کر کے آپ کو زمانے بھر میں رسوا کر دیا، آپ خاموش ہو کر بیٹھ گئے، کیا بگاڑ لیا آپ نے مسعود کا...... ماموں جان! بہت عرصے سے صبر کر رہا ہوں، آج مجبور ہو کر آپ کے سامنے زبان کھولی ہے، عمر گزر رہی ہے میری، آخر کہیں نہ کہیں تو شمائل کی شادی کریں گے، اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اگر آپ چاہتے تو مسعود کو اپنی کسی فرم میں کسی حیثیت سے لگا دیتے، اربوں روپیہ ہے آپ کے پاس، کیا کریں گے آپ اس کا...... ایک انسان کی زندگی تو نہ جاتی، جی لیتا وہ بھی لیکن آپ نے مجھے گناہگار کر دیا ماموں جان! اب صبر نہیں کر سکتا، شمائل سے میری شادی کر دیجئے، میں آپ کی تمام جائیداد کو ایک نگراں کی حیثیت سے سنبھالوں گا، آپ کا ہر فیصلہ مجھے قبول ہوگا، مجھ سے زیادہ مستحق اور کوئی نہیں ہے، میری ماں نے آپ کو اولاد کی طرح پالا ہے، کیا آپ اپنی بہن کی اولاد کو اولاد کا درجہ نہیں دے سکتے؟‘‘

’’میں کیا کر سکتا ہوں اور کیا نہیں کر سکتا، یہ بکواس کرنے کا حق تجھے نہیں ہے ہاشم!‘‘

’’ہے ماموں جان ہے، بزرگ یہی کہتے چلے آئے ہیں کہ جب گھی سیدھی انگلیوں سے نہ نکلے تو انگلیاں ٹیڑھی کر لو، بزرگوں کا کہا غلط تو نہیں ہو سکتا؟‘‘

’’کیا مطلب ہے تیرا......؟‘‘

’’ماموں جان! مسعود کو میں نے آپ کے حکم سے قتل کرایا ہے، میں خود بھی اس کی ہلاکت میں شامل تھا، میں نے اپنے ہاتھوں سے اسے چھریاں اور خنجر مارا ہے، یہ سب میں نے آپ کے حکم پر کیا ہے۔‘‘

’’کتے! کیوں بکواس کر رہا ہے؟‘‘

’’جی ماموں جان! یہ کھیل میں نے ہی ختم کیا ہے جب مسعود یہاں سے واپس گیا تو میں نے اس کا تعاقب کیا، آپ کو یاد ہوگا کہ ایک دن اور ایک رات میں گھر پر نہیں تھا، میں اس کا پیچھا کر رہا تھا اور پھر میں نے سارا انتظام کر کے اسے قتل کیا، مجھے کیا ضرورت تھی ماموں جان! آپ ہی نے مجھے یہ حکم دیا تھا، یاد ہے نا آپ کو اور آپ یقین کیجئے میں نے زندگی اس وقت تک کے لئے خود پر حرام کر لی تھی جب تک کہ مجھے مسعود نہ مل جائے، بہرحال تقدیر نے مجھے سرخرو کیا۔‘‘

’’جھوٹ......! تو تو بکواس کر رہا ہے۔‘‘

’’آپ نے کہا تھا ماموں جان کہ ہلاک کر دو ان دونوں کو، چھین لو ان سے ان کی زندگی، جو کچھ میں نے کیا صرف آپ ہی کے حکم پر کیا، ہے آپ کو یقین، ماموں جان اصل میں اس دنیا میں جینے کے لئے اپنے آپ کو بہت ہوشیار رکھنا پڑتا ہے، ذرا غور کیجئے یہ آپ ہی کے الفاظ ہیں نا......!‘‘ ہاشم نے ایک ٹیپ ریکارڈ نکالا اور اسے آن کر دیا، ٹیپ ریکارڈر پر آواز ابھرنے لگی۔

’’کیا کہنا چاہتے ہو، وہ کہو؟‘‘

’’یہی کہ مجھے حکم دیجئے کہ میں اس بے عزتی کا بدلا لے سکوں۔‘‘

’’کیا کر سکتے ہو؟‘‘

’’مسعود سائل کو جہنم رسید کر سکتا ہوں۔‘‘

’’صرف اسے...... میرا مطلب ہے صرف اسے قتل کر دو گے، نادیہ کو چھوڑ دو گے، کیا اس لئے کہ وہ میری بیٹی ہے، ہے کا لفظ درمیان سے نکال دو، وہ میری بیٹی تھی اور اب میں تمہیں بتا دوں کہ میری کوئی بیٹی نہیں ہے، شمائل بھی میرے لئے خوف کا باعث بن چکی ہے۔‘‘

’’آپ حکم دے کر دیکھئے۔‘‘

’’تو ٹھیک ہے، ان دونوں کو ختم کرا دو، آگ لگا دو ان کی جنت میں، کر سکتے ہو یہ کام......؟‘‘

’’بآسانی ماموں جان!‘‘ اس کے بعد خاموشی طاری ہو گئی تھی۔

’’ایک بار پھر سناؤں آپ کو آپ کی آواز...... بہت آسان کام ہے، اس میں تھوڑی سی ایڈیٹنگ کی جا سکتی ہے، جس سے میرے اوپر سے الزامات تھوڑے سے کم ہو جائیں گے۔‘‘

یوسف حمید کی آنکھوں کا رنگ بدلا۔ ایک لمحے کے اندر ان میں سیاہی سی آ گئی۔ یہ شاید غصے کی انتہا تھی لیکن پھر انہوں نے اپنی اس کیفیت پر قابو پا لیا اور ایک زہریلی مسکراہٹ کے ساتھ بولے۔ ’’تم میرا کیا بگاڑ سکتے ہو محض اس آواز کے ذریعے پولیس ہی کو اطلاع دو گے، براہ راست عدالت میں جاؤ گے، پولیس میری مٹھی میں ہے، عدالت میں بھی اس طرح یہ سارے ثبوت غائب کئے جا سکتے ہیں کہ کوئی مائی کا لعل ان سے مجھے نقصان نہیں پہنچا سکتا، تمہیں میرے اختیارات کا اندازہ نہیں ہے۔‘‘

’’سب کچھ سوچا ہے میں نے ماموں جان! ان دنوں انہی باتوں پر غور و خوض کرتا رہا ہوں، آپ بالکل ٹھیک کہتے ہیں، الٹا میری گردن پھنس جائے گی، آپ کا کچھ بھی نہیں بگڑے گا، مجھ سے زیادہ یہ بات اور کون جانتا ہے۔‘‘

’’پھر یہ حماقت کیوں کر رہے ہو؟‘‘

’’میرے ذہن میں بھی کچھ منصوبے ہیں ماموں جان! آپ یقین کریں حالات بہت ہی برا رخ اختیار کر سکتے ہیں، آپ کے اختیارات کو میں کبھی نظرانداز نہیں کر سکتا لیکن صرف ایک بات بتاتا ہوں، نادیہ اور شمائل کو یہ آواز سن کر بہت خوشی ہوگی، ان کے دل میں اپنے ڈیڈی کے لئے بہت بڑا احترام پیدا ہو جائے گا، ویسے تو وہ یہ بات جانتی ہیں کہ آپ بہت حیثیت والے اور بہت عزت والے ہیں، خاص طور سے نادیہ کو یہ سن کر خوشی ہوگی کہ اس کے بچے کا باپ اس کی محبت جس کے لئے اس نے اپنا گھر بار چھوڑ دیا، اس کے باپ کے ہاتھوں قتل ہوئی ہے، اس کا بچہ اس کے باپ کے ہاتھوں یتیم ہوا ہے، بس یہ ایک کارڈ ہے میرے پاس ماموں جان جسے میں بحالت مجبوری استعمال کروں گا۔‘‘

یوسف حمید پھر خاموش ہو گئے تھے، تھوڑی دیر تک ہاشم بھی خاموش رہا پھر اس نے کہا۔ ’’اچھی طرح غور کر لیجئے، میں ہر حال میں آپ کا خادم ہوں ماموں جان، حالانکہ آپ نے کبھی میرے ساتھ وہ محبت بھرا سلوک نہیں کیا جس کا میں خواہشمند تھا، لیکن پھر بھی میں نے آپ کا بہت احترام کیا ہے، بہت عزت کی ہے، کبھی کبھی آپ کی لاپروائی یا بے رخی سے دل دکھتا ضرور تھا لیکن میں ان خیالات کو دل سے نکال دیتا تھا، کیا کروں بتائیے آپ! میں بھی ایک مقام چاہتا ہوں، آپ کے اس گھر میں، آپ کی زندگی میں اور ایک بات آپ ذہن نشین کر لیجئے، یہ میری پہلی اور آخری گستاخی ہے، جب تک زندہ رہوں گا آپ سے کوئی گستاخی نہیں کروں گا یہی سب کچھ کر کے بہت شرمندہ ہوں لیکن ہر انسان اپنا مستقبل بنانا چاہتا ہے، اجازت...... غور کر لیجئے گا، میں آپ کی طرف سے اپنی تقدیر کا فیصلہ سننے کا انتظار کروں گا۔‘‘ یہ کہہ کر ہاشم باہر نکل گیا۔

نادیہ اور شمائل کی آنکھیں خوف سے پھیل گئی تھیں۔ شمائل نے لرزتی ہوئی نادیہ کا ہاتھ پکڑا تو اس کا ہاتھ سرد ہو رہا تھا اور چہرے پر سفیدی پھیل گئی تھی۔ شمائل نے اسے بھرپور سہارا دیا اور اس کا بازو گردن میں ڈال کر اسے آہستہ آہستہ چلاتی ہوئی کمرے میں آ گئی۔ اس کے چہرے پر دکھ کے آثار تھے لیکن نادیہ کو دیکھ کر یوں محسوس ہوتا تھا جیسے اس کی بینائی گم ہو گئی ہو۔

وہ خلا میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہی تھی۔ کمرے میں لا کر شمائل نے اسے ایک کرسی پر بٹھایا تو وہ بے جان سی ہو کر بیٹھ گئی، اس کے ہونٹ آہستہ آہستہ لرز رہے تھے، ان سے کوئی مدھم مدھم آواز نکل رہی تھی، شمائل گھٹنوں کے بل اس کے سامنے بیٹھ گئی۔

’’نادیہ! خود کو سنبھالو، نادیہ پلیز خود کو سنبھالو۔‘‘

’’تو میرے مسعود کے قاتل ڈیڈی ہیں شمائل! مسعود کے قاتل ڈیڈی ہیں۔‘‘ نادیہ کی سرسراتی ہوئی آواز ابھری۔

(جاری ہے)

شائل خود بھی بے حواس ہو رہی تھی، اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ یوسف حمید اس حد تک جاسکتے ہیں۔ یہ تو بہت ہی برا کیا تھا انہوں نے۔ ٹیپ ریکارڈر کی گفتگو دونوں ہی نے سنی تھی اور یوسف حمید کی آواز صاف پہچان لی تھی۔

''میرے ڈیڈی نے اتنی بے دردی سے میرے مسعود کو قتل کرادیا۔ وہ

''شائل میں تو زندگی بھر اس بات کا خواہش مند رہا کہ تم مجھے کسی قابل سمجھو۔''

''آپ جائیے پلیز، بلکہ ایک کام کریں، کیوں نہ میں آپ کے ساتھ چلوں، میں گاڑی سے اتروں گی نہیں۔''

''ضرور چلو بلکہ تمہارا بھی دل بہل جائے گا اور فاخر کو بھی ساتھ لے لو، وہ بیچارا بچہ بھی بالکل تنہا رہ گیا ہے، افسوس شائل اس گھر پر کیسی کیسی

ایم اے راحت

آخری قسط

کتنا اچھا شاعر تھا وہ۔ کتنے اچھے خیالات کا مالک تھا۔ ارے میں تمہیں کیا بتاؤں شائل، وہ بے حد لاابالی تھا، اس کی اپنی زندگی بالکل مختلف تھی۔ وہ بہت ہی عجیب تھا، آ، کیا بتاؤں میں تجھے۔ بہت عجیب تھا وہ۔'' نادیہ عجیب سے انداز میں ہنسنے لگی اور شائل کے بدن میں جھرجھری سی آگئی۔ ہنسنے کا یہ انداز احساس دلاتا تھا کہ نادیہ ذہنی طور پر مفلوج ہونے لگی ہے، وہ خود بھی رونے لگی۔

نادیہ نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''نہیں، پاگل نہیں ہو رہی ہوں میں، شائل، میں تو حیران ہو رہی ہوں کہ لوگ اتنے بھی بے درد ہوتے ہیں، کمال ہے، کمال ہے۔'' اور اس کے بعد نادیہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔'' میں تھوڑی دیر آرام کروں گی، تو یہ مت سمجھنا کہ میں پاگل ہو جاؤں گی۔ نہیں شائل میں پاگل نہیں ہوں گی۔ تو، مجھے سوچنے دے غور کرنے دے۔ مسعود کے ساتھ گزرے ہوئے ایک ایک لمحے کو یاد کرنے دے، ہائے میری وجہ سے بیچارا کتنی بے دردی سے مارا گیا۔ ہائے شائل مار دیا اسے۔ دیکھو۔ وہ ہر کام میرے کہنے کے مطابق کرتا تھا۔ نوکری کرنے لگا۔ وہ کس قدر تھک جاتا تھا لیکن ہنس کر کہتا تھا کہ نادیہ میں آسمان سے تارے توڑ لانے کی بات نہیں کرتا لیکن بس تھوڑا سا وقت گزر جانے دو، جدوجہد کر رہا ہوں۔ تمہیں وہی زندگی واپس لوٹا دوں گا، جو تم اپنے ڈیڈی کے گھر میں گزارتی تھیں۔ وعدہ کرتا ہوں نادیہ، دیکھو...... جینے ہی نہ دیا ان لوگوں نے اسے۔ افسوس مسعود، میں تم سے شرمندہ ہوں۔''

شائل، نادیہ کی کیفیت دیکھ کر بہت افسردہ تھی۔ نادیہ ایک زندہ لاش کی شکل میں نظر آتی تھی، پھر دو چار دن کے بعد اس کی کیفیت خاصی بہتر ہوگئی۔ وہ فاخر سے دور دور ہی رہتی تھی۔ شائل نے فاخر کو پوری طرح سنبھال لیا تھا۔ کبھی کبھی نادیہ باہر بھی نکل جاتی تھی۔

پھر ایک دن یوسف حمید کی طبیعت کچھ ناساز تھی، ویسے بھی وہ جس کیفیت کا شکار تھے، اس کا اظہار کسی پر نہیں ہونے دیتے تھے۔ وہ اپنے کمرے میں صوفے پر نیم دراز آنکھیں بند کئے سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے کہ نادیہ ان کے کمرے میں داخل ہوئی اور یوسف حمید آہٹ پر چونک کر اسے دیکھنے لگے۔ بہت عرصے کے بعد بھرپور نگاہ سے بیٹی کو دیکھا تھا۔ اس وقت اس کی جو کیفیت تھی اسے دیکھ کر لرز گئے۔ نادیہ کے رخساروں کی ہڈیاں ابھر آئی تھیں۔ آنکھوں کے گرد حلقے تھے۔ بال الجھے ہوئے تھے اور اس وقت وہ ایک عجیب سی نشے کی سی کیفیت میں تھی۔ یوسف حمید پہلو بدل کر رہ گئے، تبھی نادیہ کی آواز ابھری۔

''ڈیڈی، ڈیڈی کچھ بات کریں گے مجھ سے۔''

یوسف حمید نے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا، نادیہ چند قدم آگے بڑھی لیکن اس کے پاؤں لڑکھڑا رہے تھے، یوسف حمید اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے، انہوں نے نادیہ کو دیکھا اور بولے۔ ''آؤ بیٹھو۔''

''نہیں ڈیڈی، آپ بیٹھئے، کچھ باتیں کرنا چاہتی ہوں آپ سے، ڈیڈی آپ نے بہت برا کیا۔ میں آپ کی بیٹی تھی، آپ کا ہر طرح سے حق تھا مجھ پر۔ مجھے ہلاک کر دیتے ڈیڈی۔ مسعود کی زندگی کیوں لے لی آپ نے۔ باپ بیٹیوں کو جہیز دیتے ہیں۔ آپ نے مجھے جہیز دے دیا۔ میں نے آپ سے کچھ نہیں لیا تھا لیکن آپ کی دی ہوئی یہ موت، جہیز سمجھ کر قبول کر لیتی ہوں۔ دل جب اجڑتے ہیں تو عرش ہل جاتا ہے۔ ڈیڈی انتظار کیجئے گا، ان ویرانیوں کا جو میرے دل سے نکل کر آپ تک پہنچ جائیں۔ آپ نے میرا مسعود مجھ سے چھین لیا ہے، میں اپنی یہ زندگی آپ کی انا کی نذر کر رہی ہوں۔'' وہ لڑکھڑائی اور گھٹنوں کے بل بیٹھ گئی۔

اچانک ہی یوسف حمید کے ذہن میں ایک خیال آیا، وہ تیزی سے نادیہ کی طرف بڑھے لیکن نادیہ آہستہ آہستہ زمین پر لیٹ گئی تھی۔ وہ دم توڑ رہی تھی۔ یوسف حمید پاگلوں کی طرح چیخے۔

''کوئی ہے، کوئی ہے اسے دیکھو، ارے اسے دیکھو اس نے کیا کر لیا ہے کوئی ہے۔''

باہر سے لوگ دوڑ پڑے۔ کچھ ملازم، زاہدہ بیگم اور شائل وہ سب کے سب نادیہ پر جھک گئے لیکن نادیہ دم توڑ چکی تھی۔

شائل نے اپنے بال نوچ لئے۔ زاہدہ بیگم زار و قطار رونے لگیں اور یوسف حمید پر وحشت طاری ہوگئی۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے ایک ایک کو دیکھ رہے تھے۔ پھر وہ زمین پر بیٹھتے چلے گئے۔

''یہ مر گئی ہے، ارے یہ کونسی نئی بات ہے۔ میں نے تو اسے بہت پہلے مار دیا تھا، موت نے اسے تھوڑی سی مہلت دے دی تھی، چلو ٹھیک ہے تب نہیں اب مر گئی۔''

بہرحال اس کے بعد کارروائیاں ہوئیں۔ ڈاکٹروں نے بتایا کہ اس نے خودکشی کر لی ہے۔ یہ خبر اخبار کی زینت بن گئی کہ یوسف حمید کی وہ بیٹی جس نے اپنی مرضی سے شادی کر لی تھی اپنے شوہر کی موت کے بعد زہر کھا کر مر گئی ہے۔

گھر کی فضا میں خوشی کا کوئی عنصر نہیں تھا۔ کبھی کبھی قدرت سب کچھ دے کر سب کچھ ہی چھین لیتی ہے۔ گھر میں جتنے افراد تھے سب کے سب دکھی تھے سوائے ہاشم کے۔ بہرحال یوسف حمید پر بھی دس پندرہ دن تک شدید ذہنی خلفشار طاری رہا۔ راتوں کو جاگتے رہتے تھے۔ اکثر کوٹھی کے لان پر ٹہلتے ہوئے نظر آتے تھے۔ پھر ایک دن وہ دفتر گئے اور انہوں نے اپنے وکیل کو طلب کر لیا۔ وکیل کو اندر بلا کر انہوں نے منع کر دیا کہ کوئی ان کے پاس نہ آئے۔ پھر انہوں نے وکیل سے کہا۔ ''میں اپنی وصیت لکھوانا چاہتا ہوں۔ تم اس کی ڈرافٹنگ کر لو اور اس کے بعد اسے باقاعدہ حیثیت دے دو۔ میں اپنی تمام جائداد ساری دولت بینک بیلنس اپنے نواسے فاخر مسعود کے نام کرنا چاہتا ہوں۔ یہ بات وکیل صاحب جب تک میں زندہ ہوں راز رہے گی، میں اسے خود ہی افشا کر دوں تو دوسری بات ہے لیکن آپ اسے ایک راز کی حیثیت رکھیں گے۔''

''آپ مطمئن رہیں یوسف حمید صاحب بالکل مطمئن رہیں آپ۔''

پھر یوسف حمید نے جائداد کا ستر فیصد حصہ فاخر مسعود کے نام لکھ دیا تھا اور تیس فیصد شائل کے نام۔ وکیل صاحب کو پوری تفصیل بتانے کے بعد یوسف حمید نے انہیں رخصت کر دیا تھا۔ پھر باقی ساری کارروائی ہوئی اور کسی کو پتہ بھی نہیں چل سکا کہ کیا ہو گیا ہے۔

ادھر شائل انتقام کی آگ میں جل رہی تھی۔ یہ بات اس سے زیادہ بہتر اور کون جان سکتا تھا کہ اس کی بہن اور بہنوئی کے قاتل اس کے ڈیڈی اور یہ شخص ہاشم ہے۔ ڈیڈی بذات خود تو یہ عمل نہیں کر سکتے تھے لیکن ہاشم کے بارے میں اسے پوری پوری معلومات حاصل تھیں اور ہاشم سے زیادہ نفرت اسے زندگی میں کسی سے نہیں تھی۔

پھر اس دن اسے نادیہ کی ایک الماری سے زہر کی وہ شیشی مل گئی جو نادیہ نے پتہ نہیں کہاں سے حاصل کی تھی۔ انتہائی قاتل زہر تھا اور یہ بات ہر طرح سے ثابت ہو چکی تھی کہ نادیہ نے زہر کھا کر خودکشی کی ہے لیکن شائل نادیہ کی موت کا ذمہ دار ہاشم اور یوسف حمید ہی کو سمجھتی تھی۔ زہر کی شیشی اس نے اپنے پاس پوشیدہ کر لی اور اس کے بعد کسی منصوبے پر عمل کرنے لگی۔

''مجھے کچھ چیزوں کی ضرورت ہے ہاشم، میں خود بازار نہیں جانا چاہتی، باجی کی موت کے بعد ہم پر بہت سی انگلیاں اٹھنے لگی ہیں، پلیز آپ میرا یہ کام کر دیں۔'' شائل نے ہاشم سے کہا۔

مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹے ہیں۔''

''ہاں ہاشم۔''

ہاشم...... شائل کو لے کر بازار گیا، شائل گاڑی میں بیٹھی رہی تھی اور ہاشم اسٹور سے اس کی طلب کردہ چیزیں لے کر آیا تھا۔ پھر اس کے بعد شائل اکثر ہاشم کے ساتھ آنے جانے لگی۔ ہاشم کی خوشیوں کا ٹھکانہ نہیں تھا۔

اس نے ایک دن پھر ماں سے بات کی۔ اس نے کہا۔ ''آخر کار آپ لوگوں نے تو کچھ نہیں کیا اماں، مگر خدا نے میری سن لی، اس نے شائل کے دل میں میرے لئے محبت ڈال دی ہے۔''

''تو پھر میں کیا کروں؟''

''اماں اب آپ سیدھی سیدھی ماموں جان سے بات کر لیں، اس گھر میں کچھ تو خوشیوں کا نشان آئے۔ ماموں جان سے یہ بھی کہہ دیں کہ میں فاخر کو اپنی اولاد کی طرح پروان چڑھاؤں گا اور اسے کسی طرح کی تکلیف نہیں ہونے دوں گا۔''

زاہدہ بیگم کو یقین تو نہیں آیا تھا لیکن پھر بھی بڑی جھجکتی ہوئی یوسف حمید کے پاس پہنچی تھیں۔

''جی باجی، مجھ سے کوئی کام ہے؟''

''ہاں کچھ بات کرنا چاہتی ہوں تم سے یوسف لیکن دیکھو، پوری زندگی ہم دونوں ایک دوسرے کے ساتھ رہے ہیں، میرا جو بھی مقام تمہارے دل میں ہے وہ اپنی جگہ لیکن جو بات میں کرنے والی ہوں وہ کافی اہمیت کی حامل ہے، سوچ سمجھ کر اس کے بارے میں بات کرنا۔''

''جی باجی، فرمائیے۔'' یوسف حمید نے کہا۔

''شائل کے بارے میں تم نے کیا سوچا ہے؟''

''کیا سوچوں باجی جو کچھ ہو چکا ہے اس گھر میں اس کے بعد کم از کم اعلیٰ طبقے میں ہماری پوزیشن تو بالکل ہی خراب ہو گئی ہے۔ دنیا کے سامنے سب کچھ آ چکا ہے۔ کسی کو گھیر گھار کر لے آئیں تو بات دوسری ہے۔ اب بہت مشکل سے شائل کے لئے کوئی اچھا رشتہ ملے گا۔''

''ہاشم میرے پاس آیا تھا، وہ بڑے اعتماد سے یہ بات کہہ رہا ہے کہ شائل اس سے شادی کرنے پر آمادہ ہو جائے گی، پچھلے کچھ دنوں سے میں شائل کے رویئے میں بھی تبدیلی دیکھ رہی ہوں۔ وہ ہاشم کے ساتھ گھومنے پھرنے چلی جاتی ہے، ہاشم یہ بھی کہہ رہا تھا کہ وہ نادیہ کے بیٹے کو اپنی اولاد کی طرح پروان چڑھائے گا، دیکھو میں یہ الفاظ کہتے ہوئے ڈر رہی تھی، جھجک رہی تھی لیکن اس وقت میں ہاشم کی ماں نہیں شائل کی ماں کی حیثیت سے بات کر رہی ہوں۔ ہاشم جو کچھ بھی ہے تمہارے سامنے ہے دیکھ لو، اگر مناسب سمجھو تو یہ فیصلہ کر لو، میری طرف سے کوئی سفارش ہے نہ مطالبہ۔''

یوسف حمید کی آنکھوں سے آنسو ابل پڑے وہ بولے۔ ''کچھ بھی تو نہیں دیا میں نے آپ کو زندگی بھر باجی، کیا نہیں کیا آپ نے میرے لئے۔ میری پرورش کی، میری بچیوں کو پروان چڑھایا، اسی میں زندگی گزری ہے آپ کی۔ خوشیوں کے چند ہی روز ملے بس آپ کو اپنے لئے، مگر باجی ہاشم کے بارے میں آپ کو بتاؤں اس نے کبھی میرے دل تک رسائی نہیں حاصل کی۔ اس کی فطرت عجیب سی رہی ہے۔ بات ایسی نہیں ہے باجی کہ میں آپ کے احسانات کو نظرانداز کر کے اس کے بارے میں نہ سوچتا، اس کی خواہش پر میں نے اسے ذمہ داریاں دیں لیکن اس نے کہیں بھی اپنے آپ کو ایک تسلی بخش انسان نہیں ثابت کیا، ورنہ باجی میں اسے کوئی نہ کوئی مقام ضرور دیتا اور اب میں آپ کو ایک بات بتاؤں باجی، میری نادیہ کا قاتل وہی ہے، اس نے مسعود کو قتل کیا اپنے ہاتھوں سے اور اس کے بعد میری نادیہ بھی دنیا سے چلی گئی۔ باجی اس وقت جب نادیہ نے شادی کی تھی اور میں شدید غصے کے عالم میں تھا میں نے ہاشم سے کہا کہ ان دونوں کو قتل کر دو، ان کی جنت برباد کر دو، ذرا بھی ٹھنڈے دل سے سوچتا تو یہ سمجھ لیتا کہ میں شدید غصے کے عالم میں ہوں، وہ نہ کرتا جو میں نے کہا، مگر باجی وہ شروع ہی سے اس بات کا مخالف تھا کہ میں نے اسے اپنے بیٹے کی جگہ نہیں دی اور اسے اپنی کسی مل یا فیکٹری کا مالک نہیں بنا دیا۔ باجی جب غصے کے عالم میں یہ الفاظ میں اس سے کہہ رہا تھا اس نے چالاکی سے میرے یہ الفاظ ٹیپ کر لئے اور باجی اس کے بعد وہ مجھے بلیک میل کرنے پر تل گیا۔ اس نے مجھے کیسٹ سنا کر دھمکی دی کہ یہ آواز عدالت تک پہنچ سکتی ہے اور مجھے مسعود اور نادیہ کا قاتل قرار دیا جا سکتا ہے۔ باجی میری بچی دنیا سے چلی گئی اور اس کے بعد مجھے اس کے لئے بلیک میل کیا جا رہا ہے، آپ بتائیے کہ کیا ایسی صورت میں، میں اس بات پر غور کر سکتا ہوں، اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر بتائیے باجی۔''

زاہدہ بیگم کی آنکھیں حیرت سے پھیلی ہوئی تھیں۔ انہوں نے سرسراتی ہوئی آواز میں کہا۔ ''ہاشم نے خود تم سے یہ بات کہی کہ اگر تم نے اس کی شادی شائل سے نہ کی تو وہ ریکارڈ شدہ کیسٹ عدالت میں پیش کر دے گا۔''

''ہاں باجی اس نے یہ الفاظ کہے ابھی چند ہی روز پہلے کی بات ہے۔''

''خدا غارت کرے اس کو، اس کتے کو یہ نہیں معلوم کہ پہلے تم میرے بیٹے ہو بعد میں وہ، میں دیکھوں گی اسے۔''

''مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا باجی، سو بار وہ عدالت میں یہ بات پیش کر دے، آپ کی دعا سے میں حالات سے نمٹنا جانتا ہوں لیکن آپ خود مجھے یہ بتائیے کہ اس طرح کیا میرے دل میں اس کا کوئی مقام باقی رہے گا؟''

''دیکھوں گی اس کو، میں دیکھوں گی۔''

یہ الفاظ ہاشم بھی سن رہا تھا، جب زاہدہ بیگم یوسف حمید کے کمرے میں گئی تھیں تو اسے اس بات کا شبہ ہو گیا تھا کہ وہ ان سے اسی کے بارے میں بات کریں گی، چنانچہ وہ فوراً ہی وہاں سے کھسک گیا تھا، بعد میں زاہدہ بیگم نے اسے اپنے کمرے میں بلایا اور ہاشم مسکراتا ہوا ان کے پاس پہنچ گیا۔

''ہاشم! کیا تو نے اس وقت یوسف کی آواز ریکارڈ کی تھی جب اس نے غصے کے عالم میں مسعود اور نادیہ کو قتل کرنے کے لئے کہا تھا۔''

''ہاں اماں کی تھی۔''

''ہاشم اس کے باوجود تو شائل سے شادی کرنا چاہتا ہے۔''

''اپنے اپنے کارڈ ہوتے ہیں اماں۔ وہ الفاظ میرے لئے ایک کارڈ کی حیثیت رکھتے ہیں، ماموں جان اپنے آپ پر بہت نازاں ہیں، کہتے ہیں کوئی ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا، ٹھیک ہے ان کے تعلقات ہیں لیکن یہ ہو سکتا ہے کہ ایک قاتل کی حیثیت سے انہیں معاف نہ کیا جائے اور ان کے تعلقات ان کے کام نہ آئیں۔''

''اور تو اسے پھانسی دلوا دے۔ ایک بات ذہن میں رکھنا ہاشم، پہلے بھی ایک دو بار میں تجھ سے کہہ چکی ہوں کہ تجھ سے پہلے میں نے اسے پالا ہے۔''

''آپ مجھے قتل کر دیں اماں لیکن اتنا یاد رکھیں اماں کہ ہر شخص کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنا دفاع کرے، میں نے بھی بازی لگائی ہے اور جیتنا چاہتا ہوں۔''

''وہ کیسٹ تو مجھے دے دے۔''

''معافی چاہتا ہوں اماں، آپ ایسا کریں کہ ماموں جان کو شائل سے میری شادی کرنے پر آمادہ کر دیں۔ شادی ہو جائے گی تو یہ ساری چیزیں خود بیکار ہو جائیں گی۔ میں انہیں کوئی نقصان تو نہیں پہنچانا چاہتا مگر انہیں شادی پر آمادہ کرنا میری بھی ایک مجبوری ہے۔''

زاہدہ بیگم کی ہر کوشش ناکام ہو چکی تھی۔ ہاشم نے انہیں وہ کیسٹ نہیں دیا۔ زاہدہ بیگم کے دل میں ہاشم کے لئے ایک نفرت کا احساس بیٹھ گیا تھا، وہ حقیقتاً اس بات سے بہت شرمندہ تھیں اور افسردہ بھی، کئی دن تک انہوں نے یوسف حمید کا سامنا بھی نہیں کیا۔

پھر ایک دن یوسف حمید نے خود ہی ان سے کہا۔ ''میں جانتا ہوں زاہدہ باجی کہ آپ کیوں مجھ سے کترائی کترائی رہتی ہیں۔ مجھے آپ سے کوئی شکایت نہیں ہے۔ بہرحال دیکھئے وقت کی آواز کیا ہوتی ہے، ہاشم کو وہ سب کچھ نہیں ملے گا جو وہ چور راستے سے حاصل کرنا چاہتا ہے۔''

''اسے کسی بھی راستے سے کچھ نہیں ملے گا۔'' زاہدہ بیگم نے کہا۔

ادھر شائل بھی حالات سے بے خبر نہیں تھی، سب کچھ دیکھ اور سن رہی تھی لیکن اسے اس بات کا اندازہ تھا کہ ہاشم لومڑی کی طرح چالاک ہے، کہیں بھی چوک ہوئی تو وہ مٹھی سے نکل جائے گا۔ ہاشم کے ساتھ اس کا انداز مسلسل بدل رہا تھا، اکثر وہ اس کے ساتھ سیر کرنے نکل جاتی تھی۔

ہاشم نے ایک بار اس سے خود بھی گفتگو کی۔ ''شائل پتہ نہیں میں اچھا انسان ہوں یا برا، یہ میں نہیں جانتا لیکن اتنا اندازہ مجھے ضرور ہے کہ اگر برا بھی ہوں تو اتنا برا نہیں ہوں۔ شائل، میں زندگی میں اپنا ایک مقام حاصل کرنا چاہتا ہوں مگر ماموں جان مجھے پسند نہیں کرتے، شائل میں تمہارے ساتھ زندگی گزارنا چاہتا ہوں، مجھے بتاؤ اپنی اس خواہش کا میں کیا کروں؟''

''فیصلے وقت کے ہوتے ہیں ہاشم۔ اگر میری تقدیر تم سے منسلک ہے تو بھلا اسے کون روک سکتا ہے۔ ڈیڈی نے تو مسعود بھائی اور نادیہ کی شادی کی بھی شدت سے مخالفت کی تھی لیکن فیصلہ وقت نے کیا، یہ الگ بات ہے کہ ان کی خوشیوں کی زندگی اتنی ہی تھی۔''

''تم مجھے صرف ایک بات کا جواب دے دو شائل۔'' ہاشم نے خوشی سے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔

''ہاں بولو۔''

''اگر یہ بات تمہارے سامنے آئے تو کیا تم مجھے قبول کر لوگی؟''

''ہاں۔'' شائل نے جواب دیا اور ہاشم خوشی سے پاگل ہو گیا۔ پھر اس نے کہا۔ ''شائل، ہر انسان اپنا ایک مقصد پانے کے بعد بالکل بدل جاتا ہے، تم دیکھنا تمہیں خوش رکھنے کے لئے میں کیا کچھ نہیں کرتا، البتہ ایک بات کہوں، اگر میں یہ بات ماموں جان سے کروں اور براہ راست کروں تو کیا تم میرا ساتھ دوگی؟''

''ہاں۔'' شائل نے جواب دیا اور ہاشم حیران رہ گیا۔ شائل اس طرح کھل کر اس کی خواہش کی حمایت کرے گی، اسے خواب میں بھی اس کا اندازہ نہیں تھا، بہرحال وہ تیاریاں کرنے لگا۔ ماں کے بارے میں تو اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ اس سے نفرت کرتی تھی اور کبھی اس طرح کھل کر یوسف حمید سے بات نہیں کرے گی لیکن شائل کی آمادگی نے اسے بڑا حوصلہ دیا تھا اور آخر کار ایک دن وہ پورا منصوبہ بنا کر یوسف حمید کے کمرے میں پہنچ گیا۔

یوسف صاحب کی نفرت بھری نگاہوں نے اس کا استقبال کیا تھا۔ انہوں نے منہ بنا کر اسے دیکھا اور بولے۔ ''جی...... کیا چاہئے؟''

''آپ کی محبت ماموں جان۔ میں آپ کی اس نفرت کو محبت میں بدلنا چاہتا ہوں۔''

''وہ کیسے؟''

''آپ شائل سے میری شادی کر دیں۔ ماموں جان میں اتنا برا انسان نہیں ہوں یہ بات شائل نے بھی تسلیم کی ہے۔ انسان کبھی کبھی اپنی خواہشوں کی تکمیل نہ پا کر راستے سے بھٹک جاتا ہے۔''

یوسف حمید شدید غصے میں آ گئے۔ انہوں نے ادھر ادھر دیکھا جیسے ہاشم پر حملہ کرنے کے لئے کچھ تلاش کر رہے ہوں لیکن منصوبے کے مطابق اس وقت شائل اندر داخل ہو گئی۔

''یہ ٹھیک کہہ رہے ہیں ڈیڈی۔'' شائل نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

یوسف حمید نے خونخوار نظروں سے شائل کو دیکھا ''کیا بکواس کر رہی ہو۔ جانتی ہو یہ کیا کہہ رہا ہے۔''

''ہاشم جو کچھ کہہ رہے ہیں میری مرضی معلوم کر کے کہہ رہے ہیں، آپ کی دولت آپ کو مبارک۔ میں بھی نادیہ کی کہانی دہرانے کو تیار ہوں۔''

''یوسف حمید کے پورے چہرے پر خون ہی خون نظر آنے لگا۔ وہ شدید غصے کے عالم میں بولے۔ ''یہ قاتل ہے۔ اس نے...... اس نے مسعود کو اپنے ہاتھوں سے قتل کیا ہے۔''

''وہ تو آپ بھی ہیں ڈیڈی۔ بلکہ آپ نے دہرا قتل کیا ہے۔ مسعود بھائی اور نادیہ کا قتل۔ آپ نے ان دونوں کو اپنی انا پر قربان کر دیا ہے۔''

''تو بھی مجھے بلیک میل کرنا چاہتی ہے۔ تیار کر لو تم دونوں ایک اور کیسٹ تیار کر لو۔ چڑھوا دو مجھے پھانسی پر۔ میں خوشی سے موت قبول کر لوں گا۔''

''نہیں ڈیڈی۔ یہ ظلم آپ کر سکتے ہیں ہم نہیں۔ کون سے کیسٹ کی بات کر رہے ہیں آپ؟''

''اس سے پوچھو، مجھ سے زیادہ جانتی ہو تم اس کے بارے میں، پوچھو اس سے، یہ مجھے بلیک میل کر رہا ہے یا نہیں؟''

''کیوں ہاشم کیسٹ کی کیا کہانی ہے؟'' شائل نے ہاشم کی طرف رخ کر کے پوچھا۔

''وہ...... شائل میں تمہیں سچ بتاؤں، نہ جانے کب سے میں ماموں جان سے تمہارے بارے میں بات کرنا چاہتا تھا بلکہ میں نے اشاروں کنایوں میں ان سے کہا بھی تھا کہ شائل کے لئے مجھ سے بہتر اور کوئی نہیں ثابت ہو سکتا۔ انہوں نے ہمیشہ مجھے نفرت کی نگاہوں سے دیکھا، شائل میں انسان ہوں، ماموں جان نے مجھے حکم دیا کہ میں نادیہ اور مسعود کو قتل کر دوں۔ جو کچھ میں نے کیا ماموں جان کے کہنے ہی سے کیا، میں نے ماموں جان کی وہ گفتگو ایک کیسٹ میں ریکارڈ کر لی، شائل یہ سب کچھ بے شک غلط تھا لیکن انسان تو میں بھی ہوں نا، برائی تو میرے اندر بھی جنم لے سکتی ہے نا۔''

''تم میرے سوا ڈیڈی سے کیا چاہتے ہو ہاشم یہ بتاؤ اور بلاتکلف بتاؤ، اگر تمہارے ذہن میں یہ خیال ہے کہ ڈیڈی کی دولت مجھے مل جائے گی اور میرے ذریعے تمہیں، تو یقین کرو کہ تمہاری طرف سے میں سارے دروازے بند کر لوں گی، میرے دل میں تمہارا کوئی مقام نہیں پیدا ہوگا، میں تھوکتی ہوں ڈیڈی کی دولت پر جس کی وجہ سے میری بہن اور میرا بہنوئی زندگی ہار گیا۔ میرا ننھا سا فاخر ماں باپ سے محروم ہو گیا۔ بولو ہاشم کیا چاہتے ہو تم، میں نادیہ ہوں اور نہ تم مسعود، ہم آسانی سے ڈیڈی سے شکست نہیں مانیں گے، دیکھیں گے ڈیڈی ہمارا کیا بگاڑ لیتے ہیں، بتاؤ کیا چاہتے ہو تم؟''

ہاشم نے ایک لمحے کے لئے سوچا، چالاک آدمی تھا ایک لمحے کے اندر اس نے دل میں فیصلہ کیا کہ حالات چاہے کچھ بھی ہوں یوسف حمید ایک بیٹی سے تو ہاتھ دھو ہی بیٹھے ہیں، دوسری سے ہاتھ دھونا پسند نہیں کریں گے، جائداد اور دولت کہاں جاتی ہے، اس وقت نمبر بنا لینے میں کوئی ہرج نہیں ہے، اس نے جذباتی چہرہ بنا کر کہا۔ ''نہیں شائل نہیں، یہ دولت اور جائداد تم سے زیادہ قیمتی نہیں ہیں، میں تمہارے ساتھ ایک جھونپڑی میں بھی وقت گزار سکتا ہوں، ننھے فاخر کو میں اپنے سینے سے لگا کر پروان چڑھاؤں گا۔ خود محنت مزدوری کروں گا اتنا ناکارہ اور نکما نہیں ہوں کہ تمہارے لئے ایک اچھی زندگی نہ مہیا کر سکوں۔''

''وہ کیسٹ کہاں ہے ہاشم، لاؤ اور ڈیڈی کا یہ خوف بھی دور کر دو، نہیں ڈیڈی ہم دونوں آپ کو بلیک میل نہیں کرنا چاہتے، آپ کی دولت آپ کو مبارک، ہاشم! کیسٹ لے آؤ فوراً ایک لمحے کے اندر اندر۔'' شائل نے بڑے اعتماد سے کہا۔

اور ہاشم چوٹ کھا گیا۔ وہ اپنے کمرے میں گیا اور کچھ لمحوں کے بعد وہ کیسٹ لے کر واپس آ گیا۔

''لیجئے ڈیڈی یہی کیسٹ ہے نا، ہم آپ کو بلیک میل نہیں کرنا چاہتے ڈیڈی۔ لیجئے یہ کیسٹ اپنے پاس رکھئے اور اپنے دل سے ہمارے لئے خوف نکال دیجئے لیکن خدارا ہمیں اپنی دنیا آباد کرنے دیجئے، میں ہاشم کے ساتھ زندگی کی ساری خوشیاں سمیٹ لینا چاہتی ہوں۔'' شائل نے کہا اور ہاشم کا ہاتھ پکڑ کر کمرے سے باہر نکل گئی۔

یوسف حمید پھٹی پھٹی آنکھوں سے دروازے کو دیکھتے رہے، کیسٹ ان کے ہاتھ میں تھا، شائل نے جو کچھ کہا تھا وہ ان کے کانوں میں گونج رہا تھا اور پھر وہ بری طرح نڈھال ہو گئے۔ اپنی جگہ سے اٹھے کمرے کا دروازہ بند کیا اور اس کے بعد پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔

زندگی انہیں چوٹ پر چوٹ دے رہی تھی، بیٹی دنیا سے چلی گئی اس نے ان کی ضد کا ساتھ نہیں دیا اور زندگی ہی ختم کر لی۔ یوسف حمید کی زندگی میں اور تھا ہی کیا، بیوی کے انتقال کے بعد بچیوں کے لئے ہی جیئے تھے، فطرت میں ایک ایسا احساس ضرور تھا کہ وہ اپنی دولت کسی اور کو نہ دیں اور یہ بھی اس لئے تھا کہ اس دولت کے حصول کے لئے انہوں نے زندگی ہی تج دی تھی۔ اتنی محنت کی تھی کہ عام لوگ اتنی محنت نہیں کر سکتے تھے، جب بھی کہیں انہیں اس بات کا احساس ہوتا کہ کوئی ان کی دولت کی جانب بری نگاہ ڈال رہا ہے، ان کا خون کھولنے لگتا تھا لیکن چوٹ پر چوٹ ہو رہی تھی۔ مسعود نے ان کی دولت کو ٹھکرا دیا تھا، نادیہ نے دنیا چھوڑ دی تھی اور اب شمائل۔

نہ جانے کب تک وہ روتے رہے۔ پھر اس کے بعد آنسو خشک کر لئے۔ کچھ خیال آیا، ایک ٹیپ ریکارڈر پر اس کیسٹ پر ریکارڈ شدہ باتیں سنیں، اصل کیسٹ ہی تھا۔ انہوں نے اسے ایک پیپر ویٹ سے چور چور کر دیا۔ اس کی ریل نکال کر ٹکڑے ٹکڑے کر دی اور پھر اسے ایک لفافے میں ڈال کر محفوظ کر دیا۔ وہ اسے کہیں پھینکنا نہیں چاہتے تھے۔ بہت دیر تک وہ سوچتے رہے۔ شمائل اور ہاشم کا خیال ان کے دل میں تھا، ان کا تجربہ ہمیشہ انہیں یہ بتاتا رہتا تھا کہ ہاشم اچھا انسان نہیں ہے۔ اگر وہ زاہدہ بیگم کا بیٹا نہ ہوتا تو وہ اسے ایک پل بھی اپنی کوٹھی میں رکھنے پر تیار نہ ہوتے اور اب تو وہ باقاعدہ قاتل تھا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ مسعود کے قتل کی ہدایت خود یوسف حمید نے اسے دی تھی لیکن وہ جذباتی لمحات تھے، بہت دیر تک سوچتے رہے، شمائل نے اگر ہاشم سے شادی کر لی تو اس کا مطلب ہے کہ ساری زندگی کی کمائی ہوئی دولت ہاشم کے قبضے میں چلی جائے گی۔ عزت تو خیر اب تھی ہی کہاں، جو کچھ ہو چکا تھا اس کے بعد مزید اور کیا ہو سکتا تھا۔ وہ ڈھٹائی سے جی رہے تھے اور اس جینے کو جینا نہیں سمجھتے تھے۔ انھوں نے وہ تمام محفلیں ترک کر دی تھیں جن میں وہ ایک باعزت اور دولت مند شہری کی حیثیت سے شریک ہوا کرتے تھے، لوگ انہیں اب بھی اپنے ہاں بلایا کرتے تھے لیکن ایک دو بار وہ ایسی پارٹیوں میں شریک ہوئے اور انہوں نے لوگوں کی کانا پھوسیاں اور اپنی طرف اشارے بازیاں دیکھیں، وہ کیا کہہ رہے ہیں یوسف حمید کو اچھی طرح معلوم تھا، ایسی صورت میں صرف زاہدہ بیگم ہی رہ جاتی تھیں جن کے سامنے دل کی بھڑاس نکال سکتے تھے، حالانکہ زاہدہ بیگم کے بارے میں انہیں اس بات کا اندازہ تھا کہ وہ ہاشم کی ماں ہیں، پتہ نہیں کس انداز میں سوچتی ہوں گی ان کے بارے میں، احسانات ہی احسانات تھے ان کے یوسف حمید پر۔

یوسف حمید، زاہدہ بیگم کے کمرے میں پہنچے تو وہ ایک آرام کرسی میں دراز خلا میں گھور رہی تھیں، یوسف حمید کو دیکھ کر سیدھی ہو کر بیٹھ گئیں، پھر انہوں نے ان کے چہرے کی طرف دیکھا اور گھبرا کر کھڑی ہو گئیں۔

''کیا ہو گیا یوسف؟''

''یوسف حمید ایک بار پھر بے اختیار ہو گئے آگے بڑھے، اپنا سر زاہدہ بیگم کے کندھے پر رکھا اور ایک بار پھر پھوٹ پڑے۔

''میرے بچے، میرے بیٹے، کیا ہوا مجھے بتا دے میرے لعل، کیا ہو گیا۔''

یوسف حمید نے خود کو سنبھالا پھر بولے۔ ''باجی! اس ہاشم نے میری زندگی برباد کر کے رکھ دی ہے، میری ضد نے میری بیٹی مجھ سے چھین لی...... بہت کچھ سوچا تھا میں نے اپنی بچیوں کے بارے میں، جو کچھ میں کرنا چاہتا تھا باجی وہ نہیں کر سکا۔ آج زمانے بھر میں رسوا ہو گیا ہوں۔ کسی تقریب میں نہیں جاتا صرف اس لئے کہ لوگ مجھ پر ہنسیں گے کہ دیکھو اس کی بیٹی نے اپنی مرضی سے شادی کی تھی اور پھر اس کے ظلم سے تنگ آ کر خودکشی کر لی۔ کتنا برا سلوک ہوا ہے میرے ساتھ، باجی ایک بات بتایئے، برا تو مانیں گی آپ کیونکہ بہرحال میری ماں ہیں تو ہاشم کی بھی ماں ہیں۔ مجھے بتایئے کیا ہاشم اس قابل ہے کہ شمائل سے اس کی شادی کر دی جائے؟''

''ہرگز نہیں، کیوں؟''

''وہ دونوں شادی کر رہے ہیں، ہاشم نے کسی طرح شمائل کو بہلا پھسلا لیا ہے، شمائل میرے سامنے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہہ رہی ہے کہ وہ اس تاریخ کو دہرائے گی جو نادیہ نے رقم کی تھی۔ وہ دونوں یہ گھر چھوڑ دیں گے، باجی پھر میں کس کے لئے جیوں گا، بتایئے، میں کس کے لئے جیوں باجی، کیا کروں میں کیا کروں۔''

زاہدہ بیگم کی آنکھیں سرخ ہو گئیں۔ انہوں نے کہا۔ ''حالانکہ یہ صرف قصے کہانیاں اور روایت ہے کہ ماں نے اپنے بیٹے کو قتل کر دیا لیکن یوں لگتا ہے جیسے ہاشم کی موت میرے ہی ہاتھوں لکھی ہوئی ہے، ایسا ہرگز نہیں ہوگا وہ شمائل کے قابل نہیں ہے، میں دیکھ لوں گی۔''

''نہیں باجی، میں اس قسم کا کوئی اور قدم نہیں چاہتا، آپ کو میری قسم ہے ایسا کوئی قدم ہرگز نہ اٹھائیں ایک بار پھر بدنامیاں ہمارے گھر کا رخ کریں گی، باجی یہ نہیں ہو سکتا، مگر مجھے بتایئے میں کیا کروں۔ باجی میں آپ سے مشورہ چاہتا ہوں۔''

''مجھے وقت دو مجھے سوچنے دو۔''

''لیکن اس شرط کے ساتھ میں نے آپ کو اپنی قسم دلائی ہے۔'' زاہدہ بیگم ایک گہری سانس لے کر خاموش ہو گئی تھیں۔

☆......☆......☆

شمائل اب زیادہ تر ہاشم کے ساتھ ہی دیکھی جاتی تھی، بازاروں میں، سیر گاہوں میں، پکچر ہاؤس میں، کہیں بھی۔ وہ یوسف حمید سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں محسوس کرتی تھی۔ انہوں نے ایک دو بار اسے ٹوکا بھی تھا، رات کو ایک بجے وہ ہاشم کے ساتھ گھر میں داخل ہوئی تھی، یوسف حمید باہر ہی ٹہل رہے تھے، دونوں انہیں دیکھ کر ٹھٹک گئے اور پھر آہستہ آہستہ چلتے ہوئے ان کے قریب آ گئے۔

''تم اندر جاؤ۔'' انہوں نے غرائی ہوئی آواز میں ہاشم سے کہا اور ہاشم ڈھٹائی سے انہیں دیکھنے لگا۔ شمائل بولی۔ ''جاؤ ہاشم ڈیڈی نے کیا کہا ہے تم نے سنا نہیں؟'' ہاشم مسکراتا ہوا اندر چل پڑا تھا، یوسف حمید نے اسے شمائل کو آنکھ مارتے ہوئے دیکھا تھا۔

''جی ڈیڈی یہیں کھڑے رہیں گے یا اندر چلیں گے۔''

''میرے کمرے میں آؤ۔'' یوسف حمید نے کہا اور آگے بڑھ گئے، پھر وہ اپنے کمرے میں پہنچے، شمائل ان کے پیچھے پیچھے آ رہی تھی۔

''بیٹھو۔'' انہوں نے کہا اور شمائل بیٹھ گئی۔

''شمائل میں خودکشی نہیں کروں گا۔''

''خواب میں بھی نہ سوچئے ڈیڈی، خودکشی گناہ ہے۔''

''لیکن تم مجھے اس کے لئے مجبور کر رہی ہو۔''

''نہیں ڈیڈی ایسی کوئی بات نہیں ہے۔''

''یہ گھر میں داخل ہونے کا وقت ہے؟''

''ہرگز نہیں۔''

''تو پھر۔''

''ڈیڈی، تھوڑا سا وقت سے سمجھوتہ کیجئے، آپ کی سخت مزاجی نے ہم سے کیا کچھ نہیں چھین لیا، ڈیڈی ہمیں بھی موقع دیجئے کہ ہم زندگی کو قریب سے دیکھیں۔''

''زندگی کو اتنے قریب سے دیکھ رہی ہو تم شمائل کہ زندگی کسی بھی لمحے ناگ بن کر تمہیں ڈس لے گی۔''

''ہماری ماں نہیں تھی ڈیڈی، ہماری تربیت بھی بہت اعلیٰ طریقے سے نہیں ہوئی لیکن ڈیڈی پھر بھی تھوڑا سا اعتماد ضرور کیجئے، بس تھوڑا سا......''

''تم ہاشم سے شادی کرنا چاہتی ہو؟''

''کیا ہرج ہے ڈیڈی مجھے نقصان بتا دیجئے؟''

''وہ اس قابل نہیں ہے، وہ قاتل ہے، اب یہ مت کہہ دینا کہ قاتل میں بھی ہوں، میں صرف ایک بات کہتا ہوں شمائل، میں نے جذبات میں آ کر وہ الفاظ ادا کر دیئے تھے اور ان کے لئے میں اپنے آپ کو کبھی معاف نہیں کروں گا لیکن اس شخص نے جو کچھ کیا میں اس کے بارے میں دعوے سے کہتا ہوں کہ اس نے اپنے مقاصد کی تکمیل کے لئے کیا۔''

''ڈیڈی، نیند آ رہی ہے مجھے جانے دیں...... پلیز، تھینک یو۔'' شمائل نے کہا اور اپنی جگہ سے اٹھ کر کمرے سے باہر نکل گئی، یوسف حمید بے بسی سے اسے دیکھتے رہ گئے تھے۔

☆......☆......☆

یوسف حمید نے بھی اس بات پر غور نہیں کیا تھا کہ ان کے کمرے تک ایک جگہ ایسی ہے جہاں سے اس کمرے میں ہونے والی تمام گفتگو سے باہر والے واقف ہو جاتے ہیں۔ اس وقت بھی یہی ہوا تھا۔ یوسف حمید نے ہاشم کو سختی کے ساتھ اندر بھیج دیا تھا لیکن ہاشم فوراً اس جگہ پہنچ گیا تھا جہاں سے وہ ان کے کمرے میں ہونے والی گفتگو سے واقف ہو سکتا تھا۔ پھر اس نے شمائل اور یوسف کے درمیان ہونے والی باتیں سنیں اور اس کا رواں رواں خوش ہو گیا۔ خود غلط انسان تھا اس لئے ہر طرف سے خدشے کا شکار رہتا تھا کہ ممکن ہے سامنے والا بھی اس سے فریب کر رہا ہو۔ ہر چند کہ شمائل کے انداز سے اسے یہی احساس ہوتا تھا کہ شمائل اس سے غیر مخلص نہیں ہے لیکن وہ کہیں دھوکا نہیں کھانا چاہتا تھا۔ سب سے بڑا تردد اسے کیسٹ واپس کر کے ہوا تھا۔ اپنی دانست میں اس سے بڑی جلد بازی وہی ہوئی تھی۔ اول تو اسے سب سے پہلے اس کیسٹ کی کاپی کرا لینی چاہئے تھی، دوم یہ کہ جب شمائل نے اس سے کیسٹ مانگا تھا تو وہ کوئی بہانہ کر کے کہہ سکتا تھا کہ کیسٹ اس نے کہیں اور رکھا ہے کل دے دے گا لیکن غلطی ہو گئی تھی۔ وہ جذبات میں آ کر کیسٹ دے بیٹھا تھا۔ تاہم اس کے بعد سے اب تک وہ شمائل کی ایک ایک حرکت پر غور کر رہا تھا کہ شمائل اس کے ساتھ دھوکا تو نہیں کر رہی، ابھی تک اسے ایسا کوئی شبہ نہیں ہو سکا تھا۔ شمائل اس کے زیادہ سے زیادہ قریب ہوتی جا رہی تھی۔ پہلے وہ کافی مشکوک تھا لیکن اب اسے کافی اطمینان ہو گیا تھا اور اس وقت اس نے یوسف اور شمائل کی جو باتیں سنی تھیں، انہوں نے اسے کافی مطمئن کر دیا تھا۔ یہ محسوس کر کے کہ اب شمائل یوسف حمید کے کمرے سے نکلنے والی ہے۔ وہ جلدی سے اس جگہ سے ہٹ گیا اور پھرتی سے اپنے کمرے میں پہنچ گیا لیکن کمرے میں داخل ہوتے ہی وہ چونک پڑا۔ زاہدہ بیگم ایک کرسی پر بیٹھی ہوئی تھیں۔

''آپ...... اس وقت جاگ رہی ہیں۔''

''ہاں...... فیصلہ نہیں کر پا رہی!'' زاہدہ بیگم نے کہا۔

''آپ آرام کریں۔ رات کافی ہو گئی ہے۔'' ہاشم سوچ رہا تھا کہ شمائل باپ کے کمرے سے نکل کر اس کے پاس نہ آئے۔

''تجھ سے کچھ بات کرنا چاہتی ہوں۔'' زاہدہ بیگم نے بدستور سرد لہجے میں کہا۔

''صبح کر لینا اماں۔ مجھے نیند آ رہی ہے۔''

''اور میں کیا کروں۔ جس کی نیندیں تو نے چھین لی ہیں۔''

''اس کے علاوہ کچھ اور ہے آپ کے پاس کہنے کے لئے۔ میں سونا چاہتا ہوں۔''

''تو نے غور نہیں کیا ہاشم، اس چھت کے نیچے تو میرے حکم کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ میرے ایک اشارے پر تجھے دھکے دے کر یہاں سے نکالا جا سکتا ہے۔ غور کر لے تھوڑا سا۔ یوسف مجھے ماں کا درجہ دیتا ہے۔ اور تو...... میری اولاد ہے۔ صرف اس لئے وہ تجھے برداشت کرتا ہے۔ اگر میں تجھ سے ہاتھ اٹھا لوں اور اس سے کہوں کہ یوسف اسے گھر سے نکال دے تو۔ تجھے اندازہ ہے کہ کیا ہوگا؟''

بڑی سنجیدہ بات تھی۔ واقعی ایسا ہو سکتا تھا اور فوری طور پر وہ کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ زاہدہ بیگم نے کہا۔

''اور میں نے یہ فیصلہ کر لیا ہے۔''

''کیا فیصلہ اماں؟''

''یہی کہ تجھے یہاں سے نکال دیا جائے۔''

''اور تم میرے بغیر رہ لو گی؟ چلو چھوڑو۔ وہ بتاؤ جو تم مجھ سے چاہتی ہو۔''

''تجھے معلوم ہے یوسف کتنا پریشان ہے۔ وہ میرے پاس آ کر بچوں کی طرح بلک بلک کر رو رہا تھا۔ ایک بیٹی کھو چکا ہے، اب دوسری سے ہاتھ نہیں دھونا چاہتا۔''

''اب وہ حماقت کر رہے ہیں تو میں کیا کروں اماں۔ غور نہیں کر رہے ماموں جان، شمائل خوشی سے مجھ سے شادی کرنے پر تیار ہے، ماموں جان کو گھر داماد مل جائے گا۔ بیٹی پاس رہے گی نواسا آرام سے مل جائے گا۔ کتنی آسانیاں حاصل ہو جائیں گی انہیں۔ آخر کیا خرابی ہے مجھ میں۔ وہ صرف اپنی انا کے لئے رو رہے ہیں اماں۔ یہ ان کی زیادتی ہے۔''

''زبردستی شادی کرے گا تو شمائل سے۔ اس کے باپ کی مرضی کے بغیر۔''

''مجبوری ہے اماں۔ اب وقت بدل گیا ہے۔ تم مجھے سمجھانے کے بجائے یہ ساری باتیں ماموں جان کو سمجھاؤ۔ اب براہ کرم تم جاؤ اور جا کر آرام کرو، یا پھر میں باہر نکل جاتا ہوں۔'' ہاشم یہ کہہ کر دروازے سے باہر نکل گیا۔

یہاں سے نکل کر وہ شمائل کے کمرے کے سامنے سے گزرا، شمائل کے کمرے میں نائٹ بلب روشن تھا وہ سونے کے لئے لیٹ گئی تھی۔ تھوڑی دیر تک گھومنے پھرنے کے بعد جب وہ دوبارہ اپنے کمرے کے پاس آیا تو زاہدہ بیگم وہاں سے جا چکی تھیں۔ لباس وغیرہ تبدیل کرنے کے بعد وہ بستر پر لیٹ گیا اور سوچنے لگا کہ اب کیا کرنا چاہئے۔ نہ جانے کب تک وہ سوچوں میں ڈوبا رہا تھا۔

دوسرے دن اس وقت جب یوسف صاحب آفس چلے گئے وہ شمائل کے کمرے پر پہنچ گیا۔

''آ سکتا ہوں۔'' اس نے کہا۔

''آ ئیں ہاشم۔'' شمائل نے کہا اور وہ اندر داخل ہو گیا۔

''ناشتہ کر لیا؟''

''نہیں۔''

''میں نے بھی نہیں کیا۔ اس گھر کا سارا انتظام بگڑ گیا ہے۔ پہلے ہر کام خوشی خوشی ایک دوسرے کے ساتھ ہوتا تھا اب نہ ناشتہ، نہ لنچ، نہ ڈنر...... وہ تو اگر ملازم نہ ہوں تو کچن میں بھی الو بولا کریں۔''

''ہاں...... ہمارے گھر کو نظر لگ گئی۔ نادیہ بھی چلی گئی اور...... اور......'' شمائل افسردگی سے خاموش ہو گئی۔

''ناشتہ منگواؤں؟''

''منگوا لو۔'' شمائل نے بیزاری سے کہا اور ہاشم اٹھ کر باہر نکل گیا۔ نوکر سے ناشتے کے لئے کہہ کر وہ واپس آ گیا۔

''رات کو ڈانٹ پڑی ہوگی۔'' ہاشم نے کہا۔

''وہی پرانی باتیں جواب بری لگنے لگی ہیں۔'' شمائل نے گہری سانس لے کر کہا۔

''بتاؤ شمائل کیا کریں اب؟''

''آپ بتائیں ہاشم۔ آپ مرد ہیں مناسب فیصلہ آپ ہی کر سکیں گے۔'' شمائل نے کہا۔

''میرا فیصلہ مان لو گی؟''

''کوشش کروں گی۔''

''ہم کورٹ میرج کر لیتے ہیں لیکن یہاں سے کہیں جائیں گے نہیں۔ ماموں جان کتنا ہی ظلم کریں ہم پر۔ برداشت کریں گے۔ وہ ہمیں قتل تو نہیں کر دیں گے آخر کار مان جائیں گے۔''

شمائل سوچ میں ڈوب گئی تھی۔

''کیا سوچ رہی ہو۔''

''نتائج پر غور کر رہی ہوں۔''

''اس کے علاوہ کچھ ہو ہی نہیں سکتا شمائل۔ تم غور کر لو۔ آج پورا دن غور کر لو۔ رات تک مجھے جواب دے دینا۔ میں خود بھی بہت بڑا رسک لے رہا ہوں۔ ماموں جان کچھ بھی کر سکتے ہیں۔''

''میں رات تک بتا دوں گی۔'' شمائل نے کہا۔

☆......☆......☆

رات کو دس بجے شمائل نے موبائل فون پر ہاشم سے رابطہ کیا۔ ''کہاں ہیں ہاشم۔ گھر نہیں آئے۔''

''بس آ رہا ہوں۔'' ہاشم نے جواب دیا۔ آدھے گھنٹے کے بعد وہ شمائل کے کمرے پر پہنچ گیا۔ ''کتنا سناٹا ہے، کہاں اس گھر میں آدھی آدھی رات تک قہقہے گونجتے رہتے تھے۔ چلو چھوڑو۔ کھانا کھا لیا۔''

''ہاں اور آپ نے؟''

''کچھ دوستوں نے مجبور کر دیا تھا۔ ویسے بھی کورٹ میرج کے بارے میں تفصیل معلوم کر رہا تھا۔''

''کافی پیئیں گے۔ سر میں درد ہو رہا ہے۔''

''عمدہ بات کہی ہے۔ کسی ملازم کو بلاؤ۔ یہ سب بھی یہاں کے ماحول سے پورا فائدہ اٹھا رہے ہیں، کسی کی آواز بھی نہیں سنائی دے رہی۔''

تک دیکھتی ہوں۔''

شمائل نے کہا اور اٹھ کر باہر نکل گئی۔ ہاشم آرام سے ایک کرسی میں دراز ہو گیا۔ شمائل کچھ دیر میں واپس آئی اس کے ہاتھوں میں ٹرے تھی جس پر کافی کا سامان رکھا ہوا تھا۔ سوندھی سوندھی خوشبو سے فضا مہک رہی تھی۔

''ارے تم خود۔'' ہاشم نے جلدی سے اٹھتے ہوئے کہا۔

''کوئی بات نہیں۔ وقت سب کچھ کرا لیتا ہے۔'' شمائل نے ایک پیالی ہاشم کو دی اور دوسری خود لے کر بیٹھ گئی۔

''یقین کرو شمائل، بہت عجیب لگتا ہے یہ سوچ کر کہ ہم اب اتنے قریب آ جائیں گے بس ایک تردد رہتا ہے۔''

''کیا؟''

''کاش ماموں جان خوشی سے یہ سب کچھ کر دیتے لیکن میں اپنے فیصلے پر قائم ہوں۔''

''کونسا فیصلہ؟'' شمائل نے کافی کے بڑے بڑے گھونٹ لیتے ہوئے کہا۔

''ہم یہاں سے کہیں نہیں جائیں گے۔ جو کچھ افتاد پڑے گی خوشی سے برداشت کریں گے آخر کار ماموں جان پگھل ہی جائیں گے۔''

شمائل نے ایک نگاہ اسے دیکھا۔ پھر اپنی پیالی میں دوبارہ کافی ڈالنے لگی۔

''مجھے بھی دو، بہت عمدہ کافی ہے۔'' ہاشم نے اپنی پیالی سے آخری گھونٹ لے کر کہا۔

شمائل نے اسے بھی کافی دی پھر بولی۔ ''لیکن ہاشم...... گہرے گھاؤ آسانی سے نہیں بھرتے۔ کیا یہ بات بھلائی جا سکتی ہے کہ تم نادیہ اور مسعود بھائی کے قاتل ہو۔''

''تمہیں سب کچھ معلوم ہے شمائل، یہ سب کچھ میں نے ماموں جان کو خوش کرنے کے لئے کیا تھا تاکہ وہ میری شادی تم سے کر دیں۔''

''قتل جیسا کام بھی؟''

''لگن سب کچھ کرا لیتی ہے۔''

''لگن؟''

''ہاں تمہیں پانے کی لگن۔''

''میری بہن کی موت کا ذمہ دار، میرے بہنوئی کا قاتل، کیا میرا محبوب، میرا شوہر بن سکتا ہے؟'' شمائل نے کہا۔ اس کا لہجہ ایسا تھا کہ ہاشم نے چونک کر اسے دیکھا۔

''تم اب بھی یہی کہے جاؤ گی۔ کبھی کبھی اپنی محبت کو پانے کے لئے اس حد تک بھی جایا جا سکتا ہے۔''

''اور وہ جس کا سب کچھ چھن گیا ہو۔'' شمائل بولی۔

''کیسی باتیں کر رہی ہو شمائل......؟''

''میں ہوں وہ ہاشم...... وہ میں ہوں۔ ماں نہیں تھی ہماری، ہم نے ماں کے بغیر ایک دوسرے میں گم ہو کر زندگی گزاری۔ نادیہ میرے وجود کا آدھا حصہ تھی۔ تم نے مجھے آدھا قتل کر دیا ہاشم۔ میرا فرض تھا کہ میں تم سے اپنی بہن کے قتل کا انتقام لوں۔ ارے تم تو اس قابل بھی نہیں ہو کہ دروازے کے کتے بھی سمجھے جاؤ۔ جرم صرف تم ہی نہیں کر سکتے۔ کوئی اور بھی کر سکتا ہے۔ جاؤ اب کتے کی موت ہی مر جاؤ۔''

ہاشم آنکھیں پھاڑے شمائل کو دیکھ رہا تھا پھر اس نے کہا۔ ''تم اچانک پاگل کیسے ہو گئیں، شمائل......''

''اچانک نہیں ہاشم۔ سب کچھ سوچ سمجھ کر کیا ہے میں نے۔ میں اور تم سے محبت، ارے تم سے تو نفرت کے سوا اور کچھ نہیں کیا جا سکتا۔ نفرت اور صرف نفرت۔''

''ہوش میں آؤ شمائل، تمہاری نفرت میرا کیا بگاڑ سکتی ہے۔ صرف وہ کیسٹ دھوکے سے لے کر کیا تم اپنے باپ کو بچا سکتی ہو؟''

تمہارا تو میں بگاڑ چکی ہوں ہاشم۔ اپنی بہن کا بدلہ تو میں لے چکی ہوں جس زہر سے نادیہ نے خودکشی کی تھی اس کی بڑی مقدار تمہارے معدے میں جا چکی ہے اس کافی کے ذریعہ۔''

''ہیں۔'' ہاشم چونک پڑا۔ وہ خود بڑی دیر سے اپنے سینے پر جلن محسوس کر رہا تھا۔ ''کیا...... کیا بکواس...... بکواس......'' اس نے اٹھنے کی کوشش کی لیکن کھڑا نہیں ہو سکا۔ ہاتھوں پیروں کی جان نکل رہی تھی۔ زبان بند ہو گئی تھی۔ اس نے کچھ کہنے کی کوشش کی لیکن آواز نہیں نکل سکی پھر وہ اوندھے منہ زمین پر آ رہا۔

شمائل نے نفرت بھری نظروں سے اسے دیکھا۔ پھر بولی۔ ''مسعود بھائی، نادیہ میری طرف سے انتقام کا یہ حقیر نذرانہ قبول کرو۔ اس کے بعد وہ بڑے اطمینان سے چلتی ہوئی یوسف حمید کے کمرے پر پہنچ گئی۔ دروازہ کھولا یوسف ایک کرسی پر بیٹھے خلا میں گھور رہے تھے۔ اسے دیکھ کر انہوں نے نفرت سے منہ ہٹایا لیکن شمائل نے ان کے قدموں میں بیٹھ کر ان کے پاؤں پکڑ لئے تھے۔

''نہیں شمائل ممکن ہی نہیں، کچھ بھی ہو جائے۔ چاہے مجھے جان دینی پڑے۔ میں یہ نہیں ہونے دوں گا۔'' وہ رندھے ہوئے لہجے میں بولے۔

''اب تک جو گستاخیاں کی ہیں ڈیڈی۔ بس وہ معاف کر دیں۔ شمائل آپ کے قدموں کی دھول ہے۔ میں تو اپنی بہن کے قاتل سے انتقام لینے کے لئے اسے بے وقوف بنا رہی تھی۔ نادیہ اور میں مل کر مکمل ہوتے تھے۔ میں ادھوری نہیں جینا چاہتی تھی ڈیڈی۔ ہاشم کو میں نے کتے کی موت مار ڈالا ہے۔ شادی تو دور کی بات ہے مجھے اس کے سائے سے بھی نفرت تھی۔ اس کی لاش کمرے میں پڑی ہے، آیئے کچھ کام کرنے ہیں آیئے ڈیڈی پلیز۔''

''کیا...... کیا کہہ رہی ہو شمائل۔''

''آیئے ڈیڈی...... آیئے چل کر ذرا دیکھئے۔''

یوسف حمید نے ہاشم کی لاش دیکھی۔ اس کا بدن اکڑ گیا تھا چہرہ بے حد بھیانک ہو گیا تھا۔

''میں نے اسے وہی زہر دیا ہے ڈیڈی، جو نادیہ نے کھایا تھا۔ میں تو اسے بے وقوف بنا رہی تھی بھلا آپ کی مرضی کے بغیر میں ایسا کوئی قدم اٹھا سکتی تھی۔ آپ یہاں رکیں میں پھوپھی جان کو اور بلا لاؤں۔ ان کے لئے یہ نظارہ غمناک ہوگا لیکن مجبوری تھی۔ مجھے یہ تو کرنا ہی تھا۔''

یوسف صاحب پتھرا گئے تھے۔ شمائل خود ہی زاہدہ بیگم کو بلا لائی لیکن زاہدہ بیگم کا ردعمل حیرت ناک تھا۔

''یہ مر گیا ہے پھوپھی جان۔ میں نے اسے زہر دیا ہے۔ یہ میری بہن اور بہنوئی کا قاتل تھا۔ آپ اس کی ماں ہیں، میرے جرم کو آپ بے شک معاف نہیں کر سکتیں لیکن میرے لئے یہ ضروری تھا۔''

''تم نے مجھ پر احسان کیا ہے شمائل۔ میں بھی یہی کرنا چاہتی تھی لیکن میں بدنصیب، ماں تھی اس لئے۔'' زاہدہ بیگم نے روتے ہوئے کہا۔

''ڈیڈی کچھ بدنامی اور اٹھانی پڑے گی آپ کو۔ پولیس کو اطلاع کر دیں تاکہ میں آپ کے سامنے اپنا جرم تسلیم کر لوں۔''

''نہیں شمائل! اسے زہر میں نے دیا ہے۔ پولیس کو میں یہ بیان دوں گی۔ بس یہی کفارہ ادا کر سکتی ہوں میں اس کا کہ میں اس بدظن کی ماں تھی، اس ناگ نے میرے بطن سے جنم لیا تھا۔''

''ہرگز نہیں پھوپھی جان۔ یہ فخر مجھے حاصل ہونا چاہئے۔''

''بیٹی...... میرے یوسف کی زندگی اب تم ہو، میرا کیا ہے میں تو زندگی گزار چکی ہوں۔ تم اپنے باپ کا کلیجہ ٹھنڈا رکھو، اس کی خواہش کے مطابق شادی کرو اور...... اور......''

دونوں میں رد و قدح ہوتی رہی۔ یوسف حمید نے بمشکل خود کو سنبھالا تھا۔ اچانک ان کی کرخت آواز ابھری۔ ''آپ دونوں خاموش ہونا پسند کریں گی۔''

دونوں خاموش ہو گئیں۔

''میری موجودگی کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے آپ نے۔ سارے فیصلے آپ خود کریں گی۔ آیئے میرے ساتھ۔''

''ڈیڈی میں اپنی بہن کی روح کے سامنے سرخرو ہونا چاہتی ہوں۔'' شمائل نے روتے ہوئے کہا۔

''سنا نہیں آپ دونوں نے۔'' یوسف حمید نے ڈپٹ کر کہا اور دروازے کی طرف بڑھ گئے۔ ان دونوں کے ساتھ وہ زاہدہ بیگم کے کمرے میں آئے۔ پھر انہیں یہاں چھوڑ کر دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے بولے۔ ''آپ دونوں بالکل خاموشی سے یہاں وقت گزاریں میرے حکم سے انحراف ہوا تو اس گھر کو آگ لگا دوں گا۔ براہ کرم میری حیثیت کو قبول کیجئے۔ مجھے خود کو اس گھر کا سربراہ سمجھنے دیجئے۔''

یوسف حمید ساری رات کیا کرتے رہے، یہ کسی کو پتہ نہ چل سکا۔ صبح پانچ بجے کے قریب انہوں نے دروازہ کھولا اور کہا۔ ''زاہدہ باجی۔ نماز کا وقت ہو گیا ہے۔ نماز پڑھ لیجئے، شمائل تم اپنے کمرے میں جاؤ۔''

''ناشتے کی میز پر انہوں نے شمائل اور زاہدہ بیگم سے کہا۔ ''ہاشم اپنے دوستوں کے ساتھ کہیں گیا ہے۔ وہ ملک سے باہر جانے کی تیاریاں کر رہا تھا شاید چلا گیا کسی کو بتا کر نہیں گیا۔ دوسری کچھ باتیں یوں ہیں کہ فاخر میری تمام دولت اور جائداد کے ستر فیصد کا مالک ہے۔ یہ وصیت میں بہت پہلے اپنے وکیل کے سپرد کر چکا ہوں۔ تیس فیصد حصہ شمائل کا ہے جو اسے شادی کے بعد مل جائے گا۔''

''میں شادی نہیں کروں گی۔'' شمائل نے کہا۔

''نہیں بیٹی۔ تمہاری شادی ہوگی۔ فاخر کو میں پروان چڑھاؤں گی۔ اللہ نے میری ڈیوٹی یہی لگائی ہے۔'' زاہدہ بیگم نے کہا پھر زار و قطار روتی ہوئی بولیں۔ ''یوسف...... میرے ہاشم کو کفن تو دیا ہے۔ اسے قبر تو دی ہے۔ یا...... یا......''

''ہاں باجی...... ہاں۔'' یوسف حمید نے کہا اور خود بھی پھوٹ پھوٹ کر رو پڑے۔

(ختم شد)